تاریخ زبان اردو

ڈاکٹر شمس اللہ قادری

نام کتاب .... تاریخ زبان اردو
نام مصنف .... ڈاکٹر شمس اللہ قادری
قیمت .... ۵۰ — ۷
ملنے کا پتہ .... کتابستان ۔ حیدرآباد دکن

انتساب

جناب فضیلت مآب

مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب بی۔ اے

سکریٹری انجمن ترقی اردو کی خدمت میں

کنوں ایں کتاب تشکر شعار
ترا باشد از من یکے یادگار

خاکسار
ڈاکٹر شمس اللہ قادری

۱۹۲۵ء

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۴۶	حرم کعبہ میں بزبان اردو علوم دینیہ کا درس۔	۳۳
۴۸	امیر خسرو اور اردو زبان۔	۳۴
۴۹	امیر خسرو کا فارسی آمیز کلام۔	۳۵
۵۰	امیر خسرو کی چیستان۔	۳۶
۵۱	آٹھویں سے دسویں صدی تک فارسی لغات اور ان میں اردو مترادفات۔	۳۷
	سلطنت بہمنیہ (۷۴۸ھ تا ۹۳۲ھ)	
۵۴	سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالی خاندان امیر تھا۔	۳۸
۵۵	دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام۔	۳۹
۵۵	سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ	۴۰
۵۶	سلطنت بہمنیہ کی وسعت۔	۴۱
۵۶	سلاطین بہمنیہ کے علمی مشاغل۔	۴۲
۵۷	انقراض سلطنت بہمنیہ۔	۴۳
۵۸	سلطنت بہمنیہ کے باشندے اور اس کی زبانیں۔	۴۴
۵۹	سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھی۔	۴۵
۶۰	عہد سلطنت بہمنیہ کے دکنی مصنفا	۴۶
۶۰	شیخ عین الدین گنج العلم (۷۹۵ھ) کے دکنی تصنیفات	۴۷

نثر اردو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

شعرائے اردو کی تذکرہ نویسی بارھویں صدی ہجری کے آخری ایام سے شروع ہوئی اور اس وقت سے بیس پچیس سال پیشتر تک ستر اسی تذکرے لکھے گئے ہیں۔ لیکن ان سب کی ابتدا اس عہد سے ہوئی ہے کہ ہندوستان کے دارالسلطنت (دہلی) میں ریختہ گوئی کا آغاز ہوا، اور اس سے پہلے جو شعراء سرزمین دکن میں گذرے ہیں ان کے حالات نظر انداز کر دیئے ہیں، اس فروگذاشت کا یہ نتیجہ ہوا کہ قدیم شعراء کے حالات ناپید ہو گئے اور تاریخ اردو کا دور قدیم پردۂ خفا میں مستور ہو گیا۔

آج سے کم و بیش بیس سال پہلے جب اردو اور ہندی کی بحث چھڑی تو اس کے ضمن میں اردو کی قدامت اور عمومیت بھی معرض بحث میں آگئی، حامیان اردو نے ان مباحث پر جو مضامین شائع کئے ان میں دور قدیم بالکل مفقود نظر آیا اس کمی کو محسوس کر کے ہم نے ۱۹۱۰ء میں ایک مضمون "قدیم شعرائے اردو" کے عنوان سے لکھا اور اس میں ان اردو شعراء کے حالات اور ان کی زبان کے نمونے درج کئے جو دہلی میں ریختہ شاعری کے رواج پانے سے پہلے سرزمین دکن میں گذرے تھے[۱]

یہ مضمون اگرچہ مختصر اور نامکمل تھا، مگر پھر بھی علمی حلقہ میں پسندیدہ نگاہوں

---

[۱] یہ مضمون ۱۹۱۰ء میں لسان العصر لکھنؤ کے چار نمبروں میں شائع ہوا ہے اس میں عادل شاہی قطب شاہی اور مغلیہ عہد کے دس شعرا کا تذکرہ ہے۔

سے دیکھا گیا اور مولانا حالی اور علامہ شبلی جیسے مشاہیر علما، نے اسے اپنی نوعیت کا پہلا مضمون قرار دیا۔ ان حوصلہ افزائیوں سے ہماری ہمت بڑھ گئی اور ہم نے اس مضمون کو مکمل کرنے کا تہیہ کرلیا، اور ایک عرصہ کی کوشش کے بعد اس کا ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا لیکن بعض دوسرے امور اور اتفاقی موانعات کے باعث اس کی ترتیب و تدوین نہ ہوسکی اور اسی طرح ایک مدت گذر گئی یہاں تک کہ ۱۹۲۴ء ختم ہونے کے قریب ہوگیا۔ دسمبر میں ہمارے دوست مدیر تاج نے اس کے مکمل کرنے کی فرمائش کی، اسی اثنا میں دار المصنفین کی جانب سے مولانا عبدالحی مرحوم کا تذکرہ "گل رعنا" شائع ہوا، اس میں ایک مستقل باب شعرائے دکن کا نظر آیا، لیکن اسے ہم نے ناقص اور نامکمل پایا جس کے باعث اس مضمون کو مکمل کرنے کی مزید تحریک ہوئی، جو کچھ ذخیرہ جمع تھا اسے مرتب و مدون کرنا شروع کیا۔ دو مہینے کی قلیل مدت میں ایک مستقل کتاب تیار ہوگئی جسے ۱۹۲۵ء کے اوائل میں مدیر تاج نے متخدہ نمبر کے ذریعہ چھاپ کر شائع کیا۔

اس اشاعت میں اگرچہ سابقہ اشاعت سے چوگنے معلومات زیادہ تھے تاہم اس میں اضافہ کی بہت گنجائش باقی تھی، کیونکہ بعض شعرا، اور نثر نگاروں کے حالات ہم نے دل[illegible]ئے تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ان میں سے بعض کا عہد تحقیق[illegible] بعض کے جو تصنیفات دستیاب ہوئے تھے، ان کے ابتدائی یا آخری اجزا ناقص و ناتمام تھے، اور اس کی وجہ سے تحقیقات کا ذریعہ مفقود ہوگیا تھا۔

سنہ ۱۹۲۷ء کے اخیر ہفتہ میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیسویں اجلاس میں شریک ہونے کے لئے ہمیں مدراس جانے کا اتفاق ہوا اور کانفرنس کے ایماء سے ملیبار کے تاریخی حالات مرتب و مدوّن کرنے کے لئے قریباً چار مہینے مدراس میں مقیم رہنا پڑا۔ اس دوران میں جنوب کے اکثر مقامات کی سیاحت کا موقع مل گیا، جہاں خوش قسمتی سے دکنی تصنیفات کے اکثر نسخے مکمل حالت میں دستیاب ہوئے اور ان کے مطالعہ سے بہت سی نئی باتیں معرض تحقیق میں آئیں جن کو اس اشاعت میں اضافہ کر دیا گیا ہے اور امید ہے کہ یہ اشاعت سابقہ اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور بہتر ثابت ہوگی۔

اردوے قدیم پر نظر ثانی کرنے کے لئے باعث تحریک یہ امر ہوا کہ زمانہ قیام مدراس وہاں کی اردو سوسائٹی نے ۲۳ و ۲۴ جنوری سنہ ۱۹۲۸ء کو ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ پر ہمارے دو لکچروں کا انتظام کیا، اور اس کی تیاری میں ہم نے جو یادداشت فراہم کئے تھے وہ سب اردوے قدیم کی نظر ثانی میں کام آ گئے۔

اردوے قدیم کی تالیف و ترتیب میں ادب اور تاریخ و تراجم کی کثیر التعداد کتابوں سے مدد لی گئی ہے، اور ضخیم ضخیم کتب مطالعہ کرنے کے بعد ان منتشر اور پراگندہ معلومات کو فراہم کیا ہے، اور جو بات جس کتاب سے ماخوذ ہے اس کی صراحت اسی موقع پر کر دی گئی ہے، تاہم مزید وضاحت کے لئے کل کتابوں کی ایک مفصل فہرست کتابیات کے عنوان سے آخر میں لگا دی گئی ہے تاکہ ناظرین کو ایک نظر میں معلوم ہو جائے کہ اس کے ماخذات میں

کون کون سی کتابیں شامل ہیں، اور ان کی کن اشاعتوں سے اس میں کام لیا گیا ہے، تاکہ بوقت ضرورت اصل کی جانب رجوع ہونے کے لئے کسی قسم کی دقت و دشواری باقی نہ رہے۔

۱۹۲۶ء اور ۱۹۲۷ء میں پروفیسر بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس اور برٹش میوزیم کے اردو مخطوطات کی توضیحی فہرستیں شائع کیں تو ہمیں توقع ہوئی کہ ان کی وجہ سے قدیم اردو تصنیفات کے متعلق ہماری معلومات میں بعض نئی باتوں کا ضرور اضافہ ہو جائے اور اردوئے قدیم پر نظر ثانی کرنے میں ان سے تھوڑی بہت مدد ضرور ملے گی، لیکن ان کتابوں کے دیکھنے کا جب اتفاق ہوا تو معلوم ہو گیا کہ ان میں دکنی ادب کی زیادہ تر ان ہی کتابوں کا ذکر ہے جن سے ادب اردو کی ابتدائی تاریخ کے مطالعہ کرنے والے مدت سے واقف ہیں اور ان میں اکثر کتابوں کا تذکرہ اردوئے قدیم میں آچکا ہے۔

ان فہرستوں میں دکنی مصنفین اور ان کی تصنیفات کی نسبت پروفیسر موصوف سے اکثر جگہ فاش غلطیاں ہو گئی ہیں، مثلاً وہ قصہ چندر بدن کو عزیز، پنچھی باچہ کو ضعیف کی اور بکٹ کہانی کو گوپال کی تصنیف بتاتے ہیں، حالانکہ صحیح یہ ہے کہ چندر بدن مقیمی کی تصنیف ہے۔ پنچھی باچہ کے مصنف کا تخلص وجدی ہے جو کتاب میں جگہ جگہ آیا ہے، بکٹ کہانی محمد افضل نے لکھی ہے جن کا تخلص افضل ہے اور جو سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی تخت

۱؎ یہ لیکچر مدراس کے رسالہ قبنہ بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء و جنوری ۱۹۲۹ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

نشینی سے پہلے ۱۰۳۵ھ میں فوت ہوئے ہیں اسی نوعیت کی چند غلطیاں اسپرنگر۔ ولسن، ڈی۔ ٹاسی اور ایتھے سے بھی ہوئی ہیں ہم نے ان سب کا کتاب میں موقع بموقع تذکرہ کیا ہے اور تا امکان ان کی تصحیح کر دی ہے۔

حکیم شمس اللہ قادری
حیدرآباد دکن
۲۷ رجون ۱۹۲۹ء

ل ان مباحث کے لئے دیکھئے ہمارا مضمون اردو مخطوطات مندرجہ رسالہ اردو جلد ہشتم ۱۹۲۸ء

تاریخ زبان اردو

(۱)

سنسکرت کا انحطاط اور پراکرت کا رواج

آریاؤں کی مقدس زبان سنسکرت کو جناب مسیحؑ سے صدیوں پہلے انحطاط ہوگیا تھا اور اس کی بجائے ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف زبانیں مروج ہوگئی تھیں جن کو پراکرت کہتے تھے۔ پراکرتوں کو کس زمانہ سے عروج ہوا ہے اس کا سراغ لگانا دشوار ہے۔ لیکن یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے پراکرت زبانوں کو رواج عام حاصل ہوگیا تھا، بدھ اور جین مت کی[1] مذہبی زبان پراکرت تھی، سکندر کبیر نے جب ہندوستان پر حملہ کیا[2] تو اس وقت ملک میں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں، راجہ اشوک[3] کے پراکرت میں کندہ ہوئے تھے۔

مشہور پراکرت

پروفیسر ویبر کی تحقیقات کے موافق چھٹی صدی عیسوی میں جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ہے ہندوستان میں بیس سے زیادہ پراکرت بولی جاتی تھی لیکن ان میں ذیل کی پانچ پراکرت زیادہ مشہور اور ممتاز تھیں۔

(۱) پالی۔ یہ زبان مگدھ میں (جسے آج کل بہار کہتے ہیں) بولی جاتی تھی

---

[1] بدھ اور جین مذہب کے بانی مہابیر اور گوتم بدھ دونوں ہم عصر ہیں جناب مسیحؑ سے چھ سو سال پہلے گذرے ہیں

[2] سکندر کبیر نے ۳۲۷ ق م اور ۳۲۶ ق م کے مابین ہندوستان پر حملہ کیا ہے۔

[3] راجہ اشوک نے ۲۷۲ ق م سے ۲۳۲ ق م تک حکومت کی ہے

اس میں بدھ مذہب کا مذہبی لٹریچر تھا جس کے باعث دہ سیلون برہما اور سیام میں بھی پھیل گئی تھی۔

(۲) جینا پراکرت ۔ اس کی دو شاخیں تھیں ایک میں جین مت کی مذہبی کتابیں تصنیف ہوئی تھیں، دوسری وہ یہ ہے کہ جس میں جین کی مذہبی کتابوں پر تفاسیر لکھی گئی تھیں۔ یہ زبان جینا مرہٹی کہلاتی تھی۔

(۳) مہاراشٹری ۔ یہ زبان مہاراشٹر میں (جسے آجکل مرہٹواڑی کہتے ہیں) مروج تھی اور آرین اور رپار تھیں زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی۔

(۴) سوراسینی ۔ یہ زبان علاقہ برج میں (جسے آج کل متھرا کہتے ہیں) بولی جاتی تھی۔

(۵) مگدھی زبان پالی کے علاوہ تھی اور علاقہ مگدھ میں اس کا رواج تھا۔

پراکرت ۔ آریہ قبائل کی زبانیں تھیں اور سنسکرت کے تغیر سے بنی تھیں ان کے علاوہ جنوب میں دریائے کرشنا کے نیچے ڈراویڈین اقوام کی متعدد زبانیں مروج تھیں، مثلاً تلنگی کنڑی ٹامل ملیالم وغیرہ یہ زبانیں نہ صرف پراکرت بلکہ سنسکرت سے بھی قدیم تھیں اور تورانی السنہ سے ان کا تعلق تھا۔

سوراسینی یا برج بھاشا سوراسنی کا مرکز برج تھا جس کے باعث اس کو برج بھاشا بھی کہا کرتے تھے بہ نسبت دوسری پراکرتوں کے برج بھاشا کا احاطہ نہایت وسیع تھا، بہار سے سندھ اور لاہور سے مالدہ تک بولی جاتی تھی اور حضرت مسیح کے ظہور سے پہلے اس کو ایک شائستہ زبان کا درجہ حاصل ہوگیا تھا۔ وہ راجہ چی نے جو راجہ دکرما دیتہ کا دربار کی عالم

تھا[1]، اس کے گرامر (صرف ونحو) کو مدون کیا تھا[2]، اور اس موضوع پر یہ سب سے پہلی کتاب تھی۔

اردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے زمانۂ حال کی تاریخی اور لسانی تحقیقات سے یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ زبان اردو کا منبع و مخرج برج بھاشا ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ نیرہ، جوزہ، بندرہ اور اسی قبیل کے اور بہت سے الفاظ جو اردو میں مستعمل ہیں ورا روچی نے انہیں اپنی گرامر میں بجنسہ بیان کیا ہے[3]، مسلمان فاتحوں سے جب ہندوؤں کا میل جول ہوا تو برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا جو روز بروز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد زبان کی اصل ہیئت بدل گئی جس کے باعث ایک جدید زبان کا ظہور ہوا اور یہ جدید زبان سلاطین مغلیہ کے دور میں زبان اردو کے نام سے موسوم ہوئی۔

لفظ اردو کی تحقیق اردو ترکی زبان کا لفظ ہے اور لشکر گاہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

یک شمہ بہ ایوان تو خورشید منور
یک خیمہ در اردوئے تو گردون معلی

---

[1] راجہ وکرما دیتہ اوجین کا مشہور راجہ ہے، مشہور شاعر کالیداس اسی کا درباری شاعر تھا، جناب مسیح سے چھپن ۵۶ سال پہلے اس نے باختر پر حملہ کیا ہے۔

[2] ورا روچی کی گرامر پراکرت پرکاش کے نام سے مسٹر کاویل نے ۱۸۶۸ء میں بمقام لندن چھپوائی ہے۔

[3] دیکھو پراکرت پرکاش فصل اول فقرہ نہم فصل دوم فقرہ چہل و چہارم

امیر علاء الدین جوینی کی تاریخ جہاں کشا[1] اور وزیر رشید الدین فضل اللہ کی جامع التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ چنگیز خان اور اس کی اولاد کے زمانہ میں مغل بادشاہوں اور بادشاہ زادوں کے فرودگاہوں اور لشکر گاہوں کو اردو کہا کرتے تھے، یہاں تک کہ ان کا مستقر حکومت بھی اردو کہلاتا تھا اور قراقرم کا قدیم نام اردو بالیغ تھا۔

چنگیز خاں کے فرزند جوجی خاں کی اولاد نے دشت قبچاق اور روس و بلغار میں ایک وسیع حکومت قائم کر لی تھی اس کے حکمراں جب کسی مہم پر مستقر سے روانہ ہوتے تو زریں خیموں میں قیام کیا کرتے تھے جس کے باعث ان کی لشکر گاہیں اردوئے مطلا (Golden Horde) کہلاتی تھیں اور خود انہیں خوانین اردوئے مطلا کے لقب سے شہرت ہو گئی تھی[2]۔

---

[1] تاریخ جہانکشا جلد اول ص۱۲۰ ص۱۹۹ ص۲۰۰ جامع التواریخ جلد دوم ص۱۳ ص۲۵۳

[2] خوانین اردوئے مطلا ۶۲۱ھ سے ۹۰۷ھ تک برسر حکومت رہے ہیں ان کی تین شاخیں تھیں۔

(۱) خاندان باتو خان۔ ان کا دار الحکومت سرائے۔ دریائے والگا پر آباد تھا (۲) خاندان تغا تیمور۔ بلغار میں ان کی حکومت تھی قازان مستقر تھا (۳) خاندان شیبانی ان کو ازبک بھی کہتے ہیں۔ ابتداءً گرغیز میں ان کی حکومت تھی پھر خیوا اور بخارا میں آ کر برسر حکومت ہو گئے تھے شرف الدین علی یزدی کے ظفرنامہ پر مرزا شاہ رخ نے جو مقدمہ لکھوایا ہے اس میں اس خاندان کے مفصل حالات ہیں اور غیاث الدین خواندمیر نے حبیب السیر میں ان کا خلاصہ تحریر کیا ہے دیکھو جلد سوم جزو اول ص۱۳

خروج چنگیز خاں کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ سے سلطان محمد تغلق کے عہد حکومت مغلوں نے ہندوستان پر گیارہ حملے کئے اور کم و بیش سو سال تک ہندوستان کا شمالی خطہ ان کی تاخت و تاز کا جولانگاہ بنا رہا۔ اسی زمانہ سے ہندوستان میں لفظ اردو کا استعمال شروع ہوا اور یہاں بھی لشکر گاہ کو اردو کہنے لگے۔ قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری جو ۶۵۸ھ میں بعہد سلطان ناصر الدین محمود تصنیف ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اہل ہند مغلوں کے لشکر گاہ کو اردو کہا کرتے تھے۔

چوں ملک اعظم الغ خاں لشکر ہا بطرف ناگور برد و با ملک شیر خاں ایشاں را مکاوحت رفت در حوالی سندھ ملک شیر خاں از انجا عزیمت ترکستان کرد و بطرف اردوئے مغل رفت و بدرگاہ منکو خاں پیوست[1]

شمس الدین عفیف کی تاریخ فیروز شاہی تیموری حملے سے کچھ عرصہ پہلے ۸۰۱ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اس میں بھی لفظ اردو آیا ہے اور مصنف نے اسے فیروز شاہی لشکر گاہ کے متعلق استعمال کیا ہے[2]

شہنشاہ بابر نے ۹۳۲ھ میں ہندوستان فتح کیا، دہلی اور آگرے کی تسخیر کے بعد ۹۳۳ھ میں جو فتح نامے اطراف واکناف میں روانہ کئے ان میں اپنے لشکر کو اردوئے نصرت شعار کے لقب سے موسوم کیا ہے[3]

---

[1] طبقات ناصری طبع کلکتہ ص۲۷۷

[2] تاریخ فیروز شاہی طبع ص۵۳

[3] بابر نامہ۔ طبع قازان ص۴۱۳

سلاطین تیموریہ کے درباری مورخ جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں گزرے ہیں لفظ اردو کو شاہی لشکر اور شاہی فرودگاہ کے لئے استعمال کرتے ہیں[۱]

بابر اکبر اور جہانگیر نے لشکر گاہوں میں جو سکے مضروب کرائے ہیں ان پر دار الضرب کا نام اردو مسکوک ہوا ہے۔ طبقات اکبری ۲۱۶ و ۲۱۳

اکبر (۹۶۳ھ ۱۰۱۴ھ) کے زمانے سے شاہی لشکر اور دار الحکومت کے لشکر گاہ کو اردوئے معلی کہا کرتے تھے[۲] اور اس کا بازار اردو بازار کہلاتا تھا

---

[۱] طبقات اکبری ص۲۱۲ و ص۲۱۶ و ص۲۱۳ اقبال نامہ جہانگیری طبع کلکتہ جلد دوم ص۲۸۹ و ص۲۰۹

[۲] بابر کے ایک سکہ پر جو ۹۳۷ھ میں مضروب ہوا ہے "ضرب اردو" منقوش ہے (دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ پنجاب میوزیم لاہور)

اکبر نے اجمیر ۹۸۴ھ اور پنجاب ۹۸۸ھ کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر دار الضرب کا نام "اردوئے ظفر قرین" ثبت ہے۔ دیکھو نلسن رائٹ کی فہرست سکہ جات سلاطین مغلیہ انڈین میوزیم کلکتہ جلد سوم

جہانگیر نے جلوس کے گیارہویں سال ۱۰۲۵ھ میں مالوہ کی جانب سفر کیا اور دوران سفر میں جو سکے مضروب کرائے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے اور یہ دار الضرب "اردو در راہ دکن" کے نام سے موسوم ہوا ہے۔ دیکھو وایٹ ہیڈ کی فہرست

باردو سکہ زد در راہ دکن شاہ بحر و بر	شہنشاہ زماں شاہ جہانگیر ابن شاہ اکبر

جہانگیر نے جلوس کے بارھویں سال (۱۰۲۶ھ) کشمیر کے سفر میں جو سکے مضروب کرائے تھے ان پر حسب ذیل بیت ثبت ہے۔

بادرواں تا کہ بود نہر و ماہ	سکہ اُردوئے جہانگیر شاہ

دیکھو نیو مسماٹک سپلیمنٹ حصہ اول مضمون چہارم شمولہ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال بابت ۱۹۰۴ء

اردو عام طور پر مغلیہ اردو یعنی لشکر گاہوں میں بولی جاتی تھی جس کے باعث اس کا نام زبانِ اردو یعنی اہلِ لشکر کی زبان شہرت پایا اور بعد میں کثرت استعمال سے لفظ زبان ختم ہو گیا اور عام طور پر اردو کہنے لگے۔[1]

ریختہ کی تحقیق اردو کا دوسرا نام زبانِ ریختہ ہے، قدما، نظم اردو کو ریختہ کہا کرتے تھے[2] ولی دکھنی کے ایک شعر میں آیا ہے

یہ ریختہ ولی کا جا کر اسے سنا دو

رکھتا ہے فکر روشن جو انوری کے مانند

لغت میں گری پڑی چیز کو ریختہ کہتے ہیں، چنانچہ خواجہ کمال خجندی کا ایک شعر ہے[3]

خونم چہ شد ریختہ مستی کند آں چشم

از ریختہ ذوق است و طرب در سر ہند و

لیکن شعراء فارسی کی اصطلاح میں ریختہ وہ کلام کہلاتا ہے جو دو یا زیادہ زبانوں سے مخلوط ہو۔ قدمائے اردو کا کلام فارسی اور ہندی سے مخلوط ہوا کرتا تھا جس کے باعث ریختہ کے نام سے شہرت پایا اور بعد میں یہ لفظ اس قدر عام ہوا کہ ہر قسم کی نظم اردو پر ریختہ کا اطلاق ہونے لگا اور اسی مناسبت سے زبان کا نام بھی زبانِ ریختہ مشہور ہو گیا۔

---

[1] گلستان سخن صہ ۶۵ سید انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ "خوش بیانان آنجا دار الحکومت شاہجہاں آباد متفق شدہ از زبان ہائے متعدد الفاظ دلچسپ جدا نمودہ در بعضے عبارات و الفاظ تصرف بکار بردہ زبانے تازہ سوائے زبانہائے دیگر بہم رسانیدند و بہ اردو موسوم ساختند۔

[2] تحقیق زبان ریختہ صہ ۳۔ [3] بہار عجم جلد دوم صہ ۱۱

(۲)

ہندوستان پر مسلمانوں کے ابتدائی حملے

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ (۱۳ھ ۲۳ھ) کے زمانے سے مسلمانوں نے ہندوستان پر حملے کرنے شروع کئے ۱۵ھ میں عثمان بن عاص الثقفی نے جو عمان و بحرین کے حاکم تھے سواحل سندھ پر حملہ کیا، ان کے جنگی جہاز بمبئی کے قریب تانہ پر لنگر انداز ہوئے، اس کے چند ماہ بعد انہیں نے دو اور مہم ہندوستان کی جانب روانہ کئے، جن کے افسران کے دو بھائی مغیرہ اور حکم تھے۔ مغیرہ نے دیبل پر اور حکم نے بروص (بھڑوچ) پر یورش کی لیکن ان کا کوئی کامیاب نتیجہ نہیں نکلا ۲۲ھ میں جب ایران فتح ہو گیا اور مسلمان عراق سے خراسان تک تمام ممالک پر قابض و متصرف ہو گئے، ایران کے وہ ممالک جو ہندوستان سے ملے ہوئے تھے۔ جیسے مکران وسیستان و طخارستان و زابلستان وغیرہ حضرت عثمانؓ (۲۳ھ ۳۵ھ) کے زمانہ میں مفتوح ہوئے اس کے بعد ہندوستان پر اسلامی حملوں کا آغاز ہوا ۴۴ھ میں امیر مہلب بن ابی صفرہ نے کابل کے راستہ سے ہندوستان پر حملہ کیا اور تاخت و تاز کرتا ہوا لاہور تک چلا آیا، اس مہم میں ملتان سے کابل تک تمام ملک اسلامی تصرف میں آگیا۔

سندھ کی فتح

اس کے بعد مسلمانوں نے بیس سال تک سندھ پر متعدد حملے کئے اور بہت سے سرحدی اور ساحلی مقامات کو فتح کر لیا، خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ ۸۶ھ) کے زمانہ میں جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر مقرر ہوا تو اس نے سندھ پر کئی مہم روانہ کئے، ان میں ۸۶ھ کی مہم نہایت کامیاب ہوئی[1]

---

[1] ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۹۸

اس کا افسر محمد بن قاسم تھا جس نے سب سے پہلے دابل کو فتح کیا۔ پھر فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور محمد قاسم نے ملک کے اندر قدم بڑھانا شروع کیا ۹۶ھ تک برہمن آباد، الور اور ملتان فتح ہوگئے اور سندھ پر مسلمانوں نے بالا ستقلال قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم معزول ہوکر دربار خلافت چلا آیا، اور اس کے بجائے تمیم سندھ کا گورنر مقرر ہوا۔

سندھ میں عربوں کی حکومت

فارسی اور انگریزی مؤرخین کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ محمد قاسم کے بعد سندھ کی اسلامی حکومت تباہ ہوگئی اور ملک پر ہندوؤں نے قبضہ کرلیا بلکہ عربی تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ الواثق باللہ (۲۲۷ھ ۔ ۲۳۳ھ) کے زمانہ تک دربار خلافت سے سندھ میں گورنر مقرر ہوکر آتے تھے اور منصورہ ان کا مستقر حکومت تھا۔ جب خلافت بغداد کو انحطاط شروع ہوا تو سندھ میں خلفاء کی حکومت برائے نام رہ گئی، اور ملک میں عربوں کے جو قبائل آباد تھے ان کے سرداروں نے بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کرلیں، یہ حکومتیں کشمیر کی سرحد سے بحر فارس اور سیستان و مکران تک پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے حکمران سلاطین غزنویہ کے تسلط تک ملک سندھ پر قابض و متصرف تھے

(۳)

غزنیں میں سلطنت اسلامیہ کا قائم ہونا

ہندوکش کے شمال میں پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی، لیکن پانچویں صدی تک مسلمانوں نے اس کے نیچے اپنی عملداری وسیع کرنے کی کوشش نہیں کی ۳۲۷ھ

میں الپ تگین نے جو سلاطین سامانیہ کا ترکی غلام تھا غزنیں میں ایک مستقل حکومت کا سنگ بنیاد رکھا، یہ حکومت ایسے ملک میں قائم ہوئی جو ہندوستان وخراسان کے بیچ میں واقع تھا اور یہاں سے باسانی ہندوستان میں آمد ورفت ہو سکتی تھی، اس وقت پنجاب میں راجہ جے پال حکمراں تھا۔ اس کی حکومت نیلاب (دریائے سندھ) کے شمال میں اسلامی مقبوضات تک پھیلی ہوئی تھی، سبکتگین نے (سنہ ۳۶۶ھ تا ۳۸۷ھ) جو الپ تگین کا جانشین تھا راجہ کے ساتھ وادی لمغان میں دو لڑائیاں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نیلاب تک راجہ کا ملک مسلمانوں کے تصرف میں آگیا[1]

سلطان محمود کی فتوحات

سبکتگین کے بعد سلطان محمود (۳۸۹ھ تا ۴۲۱ھ) برسر حکومت ہوا اس کے زمانہ سے ہندوستان کی اصلی فتوحات شروع ہوتی ہیں، اس نے ۳۹۲ھ/۱۰۰۱ء سے ۴۱۵ھ/۱۰۲۴ء تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے[2] اور نیلاب کو عبور کر کے جنوب میں کوہستان بندھیاچل تک اپنی فتوحات کو وسعت دیتا ہوا چلا گیا، اس کی فتوحات کے انتہائی مقام مشرق میں کالنجر اور مغرب میں سومنات تھے، پہلا مقام جنجمس (دریائے گنگا) کے نیچے بندیل کھنڈ میں اور دوسرا گجرات میں سمندر کے کنارے واقع ہے محمود نے ۴۰۹ھ میں قنوج و متھرا کو فتح کیا[3]

---

[1] فرشتہ جلد اول صفحہ ۲ الفنسٹن ہسٹری صفحہ ۳۱۴

[2] ان حملوں کے مفصل حالات طبقات اکبری تاریخ فرشتہ، منتخب التواریخ اور الفنسٹن ہسٹری میں تحریر ہیں [3] طبقات اکبری صفحہ ۵ فرشتہ جلد اول صفحہ ۲۹

سنہ ۴۱۳ھ میں کالنجر کے راجہ کو مطیع و منقاد بنا دیا[1] ۴۱۵ھ میں گجرات کے دار السلطنت نہر والہ پٹن کو فتح کر کے سومنات کو تاخت و تاراج کیا۔ محمود کے بعد اس کی اولاد کے قبضہ سے مفتوحہ ممالک کا بہت حصہ نکل گیا، لیکن پنجاب پران کا قبضہ بدستور قائم رہا۔

آل سبکتگین کا لاہور کو دار الحکومت قرار دینا

اس زمانہ میں آل شنسب کو عروج حاصل ہوا اور بہرام شاہ (۵۱۲ھ – سنہ ۵۴۷ھ) کے زمانہ میں غزنین پر قبضہ ہو گیا اس وقت آل سبکتگین کے ہاتھ میں صرف پنجاب کی حکومت باقی رہ گئی، بہرام شاہ نے غزنین سے نکل کر پنجاب میں سکونت اختیار کی اور لاہور کو اپنا دار الحکومت قرار دیا، اس کے بعد اس کے دو جانشین خسرو شاہ (۵۴۷ھ – ۵۵۵ھ) اور خسرو ملک (۵۵۵ھ – سنہ ۵۸۳ھ) کم و بیش چھتیس سال تک لاہور میں حکومت کرتے رہے۔ سنہ ۵۸۳ھ میں محمد بن سام نے جس کا لقب شہاب الدین غوری ہے لاہور کو فتح کر لیا تو آل سبکتگین کا خاتمہ ہو گیا اور پنجاب آل شنسب کے قبضہ میں آگیا[3]۔

آل شنسب کا ظہور اور محمد بن سام کی فتوحات

اس کے بعد محمد بن سام نے ہندوؤں سے لڑائی جھگڑے شروع کیے، اس وقت ہندوستان میں چار خاندان حکمران تھے، تومرا دہلی میں، چوہان اجمیر میں، راٹھور قنوج میں، باگھیلے گجرات میں، دہلی کا راجہ ناگ دیو جب لاولد مر گیا تو اس کا نواسہ رائے پتھورا جو اجمیر کا راجہ تھا

۱؎ طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۱

۲؎ طبقات اکبری ص۹ فرشتہ جلد اول ص۳۲

۳؎ طبقات اکبری ص۱۹

دہلی میں بر سر حکومت ہوا اور اس طرح تومرا خاندان کی حکومت چوہان خاندان میں منتقل ہو گئی[1]

محمد بن سام نے فتح لاہور کے بعد جب ہندوؤں پر حملہ کیا تو رائے پتھورا نے تراوڑی میں اس کو پسپا کر دیا، لیکن اس کے دو سال بعد ۵۸۹ھ میں بمقام تھانیسر اس نے فتح حاصل کی اور راجہ لڑائی میں مارا گیا، اجمیر اور دہلی مسلمانوں کے تصرف میں آ گئے، اس کے بعد ۵۹۲ھ میں قنوج فتح ہوا۔

ہندوستان خاص اور بہار و بنگال کا سلطنت اسلامیہ میں شامل ہونا

اس اثنا میں اودھ اور بہار بھی مسخر ہو گئے غرضکہ سندھ سے بنگالہ تک اور لاہور سے بیانہ تک تمام ملک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا، ۶۰۲ھ میں دریائے نیلاب کے پاس ملاحدہ اسمٰعیلیہ نے محمد سام کو شہید کر دیا[2]، اس کے بعد ان کی سلطنت ان کے غلاموں میں تقسیم ہو گئی، تاج الدین یلدوز غزنین میں، ناصر الدین قباچہ سندھ میں، قطب الدین ایبک دہلی میں، بہاء الدین طغرل بیانہ میں خود مختار ہو گئے، طغرل کی وفات کے بعد بیانہ قطب الدین ایبک کے قبضہ میں آ گیا جس کے باعث دہلی کی عملداری جنوب میں نربدا تک پھیل گئی، اسی زمانہ میں ملک اختیار الدین خلجی کی کوشش سے بنگالہ بھی فتح ہو گیا، التمش کے زمانہ میں جب تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ کا خاتمہ ہوا تو ان کے علاقہ بھی دہلی میں شامل ہو گئے۔

---

[1] دول اسلام ذہبی ص۸۱ جلد دوم

[2] فرشتہ جلد اول ص۱۱۹ الفنسٹن ہسٹری ص۳۸۸

دکن میں بندھیاچل سے راس کماری تک مسلمانوں کے فتوحات

التمش کے جانشینوں نے توسیع سلطنت کی بہت کم کوشش کی لیکن جب ان کی حکومت خلجی خاندان میں منتقل ہوگئی تو سلطان علاء الدین محمد (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ)، نے دکن کی جانب پیش قدمی کی ۷۰۶ھ میں دیوگڈھ فتح ہوا ۷۰۹ھ میں ورنگل اور ۷۱۰ھ میں کرناٹک مفتوح ہوئے اس آخر الذکر فتح کی بدولت مسلمان انتہائے جنوب میں بندرامیشورم تک پہنچ گئے، اور وہاں سلطان علاء الدین کے حکم سے ایک مسجد تعمیر کی گئی جو جہانگیر کے زمانہ تک موجود تھی[۱]

سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ تا ۷۱۵ھ) کے زمانہ سے ملک دکن سلطنت دہلی میں شامل ہوگیا، اور اس کے بعد قریباً چالیس سال تک تخت دہلی سے اس کا تعلق قائم رہا، محمد بن تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ)، کے زمانہ میں امرائے دکن نے بغاوت کی جس کے باعث دہلی کی حکومت سے دکن آزاد ہوگیا، اور یہاں ۷۴۸ھ کے قریب ایک نئی سلطنت بہمنیہ (۷۴۸ھ تا ۹۳۳ھ)، قائم ہوگئی، جس کے فرماں روا کم و بیش دو سو سال تک حکمراں رہے، نویں صدی سے اس کو بھی انحطاط شروع ہوا، اور پچاس سال کے اندر ملک کو مختلف سرداروں نے تقسیم کر لیا، اور ایک سلطنت کے عوض پانچ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں قائم ہوگئیں

---

(۱) فرشتہ جلد اول ص ۱۱۹ الفنسٹن ہسٹری ص ۳۸۸

(۴)

عربوں کے دورِ حکومت میں سندھ کی اسلامی آبادی

جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے، سندھ کے فاتحین عرب کے مسلمان تھے یہ لوگ جب سندھ میں آئے تو اپنے ساتھ عربی زبان اور عربی تمدن لیتے آئے اور اسے ملک میں اس قدر پھیلایا کہ سندھ شام و عراق کا نمونہ بن گیا، سندھ میں کم و بیش پانسو سال تک ان کی حکومت رہی ہے۔ اس عرصہ میں عراق و عرب کے سینکڑوں قبائل نے آکر سندھ میں سکونت اختیار کر لی اور یہاں کے باشندوں کے ساتھ اس قدر اختلاط بڑھایا کہ دونوں میں امتیاز کرنا اجنبی کے لئے دشوار ہو گیا، ابن حوقل[۱] جو چوتھی صدی کا مشہور سیاح ہے جب سندھ میں آیا تو دیکھا کہ یہاں کے ہندو مسلمان دونوں کی ایک سی معاشرت ہے، دونوں ایک زبان بولتے ہیں، سندھ میں عربی اور سندی بولی جاتی ہے، ملتان میں ملتانی اور فارسی کا رواج ہے۔

آلِ سبکتگین کے زمانہ میں پنجاب کی اسلامی آبادی

آلِ سبکتگین اور سلاطین غزنویہ کے زمانہ میں جو مسلمان ہندوستان میں آئے تھے وہ ترک مغول اور افغان تھے ابتدا میں ان کا مرکز حکومت لاہور تھا اور یہاں سلطان محمود کے زمانے سے سپہ سالار رہا کرتے تھے ابو الحسن علی بن عثمان الہجویری (المتوفی ۴۶۵ھ) و فخر الزہاد شیخ فخر الدین زنجانی جو مشاہیر مشائخ صوفیہ سے ہیں اس زمانہ میں لاہور میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے، مسعود سعد سلمان، ابو الفرج رونی

---

[۱] ابن حوقل نے ۳۳۱ھ سے ۳۵۷ھ تک بلاد اسلامیہ میں سفر کیا اور ۳۶۶ھ میں اپنا سفرنامہ مدون کیا ہے جس کا نام المسالک والممالک ہے اور اسے ڈخویہ نے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا ہے ۱۲

ابو عبد اللہ النکتی اور حمید الدین مسعود جو فارسی کے مشہور شاعر ہیں اسی زمانہ میں لاہور میں پیدا ہوئے تھے، مشہور ادیب ابو نصر فارسی لاہور میں رہا کرتا تھا اور اس نے ایک مدرسہ بھی جاری کیا تھا جو صدیوں قائم رہا اور اس میں علوم اسلامیہ کی تعلیم دی جاتی تھی۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ہندوستان کی اسلامی آبادی

جانشینان محمد بن سام کے زمانہ میں اجمیر دہلی بیانہ بہار لکھنوتی وغیرہ بھی مسلمانوں کے مرکز قرار پائے، اور جس قدر مقامات فتح ہوتے گئے وہاں بڑے بڑے اکابر دین اور ان کے مرید و معتقدین نے سکونت اختیار کی، اس طرح سو سال کے اندر اندر پنجاب سے بنگال تک اور لاہور سے کرناٹک تک مسلمان تمام میں پھیل گئے، اور ان ساتھ ان کا مذہب ان کا تمدن اور ان کی زبان بھی پھیل گئی، چنانچہ ابن بطوطہ[۱] جو آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے، ہندوستان آیا اور اس سرے اس سرے تک ملک کا سفر کیا تو اس نے تمام ملک کو اسلامی آبادی اور اسلامی آثار سے معمورہ مملو پایا۔

ہندوستان کا اسلامی تمدن جو عربی اور ہندی تمدن کے اختلاط سے بنا ہے

مسلمانوں نے جب ہندوستان میں قدم رکھا تو اپنا تمدن اور اپنی زبان ساتھ لائے لیکن مفتوح اقوام پر اس کا گہرا اثر نہیں پڑا جیسا کہ مصر و ایران پر پڑا تھا، ان ممالک میں اسلامی تمدن اور اسلامی زبان نے قدیم تمدن اور قدیم زبان کو ناپید کر دیا، اس کے خلاف

---

[۱] ابن بطوطہ آٹھویں صدی کا مشہور سیاح ہے ۷۳۴ھ میں سلطان محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں آیا اور دس سال تک یہاں رہ کر ۷۴۳ھ میں چین چلا گیا، اس کا سفر نامہ فرنچ ترجمہ کے ساتھ دی فرمری نے ۱۸۵۳ء، ۱۸۵۸ء میں بمقام پیرس چھپوایا ہے۔

ہندوستان میں مفتوحین کا اثر فاتحین پر پڑا لیکن فاتحین کا تمدن ایسا نہ تھا کہ وہ مفتوحین کے تمدن میں ضم ہو جاتا اس لئے دونوں تمدنوں کے ملنے سے ایک تیسرے تمدن کا ظہور ہوا یہی کیفیت زبان کی نسبت پیش آئی، فاتحین اپنی زبان کو ہندوستان میں عام نہ کر سکے، لیکن ہندوؤں کی زبان بھی ان کی عام زبان نہ ہو سکی بلکہ دونوں اقوام کی زبان کے اختلاط سے ایک تیسری زبان وجود میں آئی جو اردو کے نام سے مشہور ہے۔

اردو زبان جو اسلامی اور ہندی زبانوں کے اختلاط سے بنی ہے

فاتحین اسلام بالعموم فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن ان کی فارسی خالص فارسی نہ تھی، بلکہ اس عربی کے ہزاروں الفاظ شامل ہو گئے تھے، ہندوستان کی زبانوں میں برج بھاشا (سورا سینی) اگرچہ دوآبہ* کی زبان تھی لیکن پانچویں صدی ہجری تک اس کو بہت وسعت ہو گئی تھی، بہار سے نیلاب اور نیلاب سے مالوہ تک بولی جاتی تھی اور اس اعتبار سے ملک اس خطہ کی عام زبان تھی، جہاں سب سے پہلے اسلامی حکومت قائم ہوئی، مسلمان آباد ہوئے اور اسلامی تمدن نے نشوونما پائی، مسلمانوں کے اثر سے برج بھاشا میں عربی فارسی الفاظ داخل ہونے لگے جس کے باعث اس میں تغیر شروع ہوا جو روز بڑھتا گیا اور ایک عرصہ کے بعد اردو زبان کی صورت اختیار کر لی۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مورخین سلف کے بیانات

برج بھاشا کا یہ تغیر کب شروع ہوا اور اردو زبان کی ابتدا کس زمانہ سے ہوئی اس کی نسبت مصنفین سلف نے اختلاف کیا ہے۔

* دوآبہ اس علاقہ کو کہتے ہیں جو گنگا جمنا کے بابین واقع ہے۔

سرسید احمد خاں نے آثار الصنادید (تالیف ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء) خاتمہ میں لکھا ہے کہ:-

"اگرچہ بابر اور جہانگیر کے عہد تک ہندی بھاشا میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی تھی مسلمان اپنی گفتگو فارسی زبان میں اور ہندو اپنی گفتگو بھاشا میں کیا کرتے تھے، پھر جب بھی امیر خسرو نے خلجی بادشاہوں کے زمانے سے یعنی حضرت مسیح کی تیرہویں صدی میں فارسی زبان میں بھاشا کے لفظ ملانے شروع کئے تھے اور کچھ پہیلیاں اور مکرنیاں اور نسبتیں ایسی زبان میں کہی تھیں جس میں اکثر الفاظ بھاشا کے تھے غالب ہے کہ رفتہ رفتہ بھاشا میں جب ہی سے ملاپ شروع ہوا ہو مگر ایسا نہ تھا جس کو جدا زبان کہا جائے۔

جبکہ شاہجہاں بادشاہ نے ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں شہر شاہجہاں آباد آباد کیا اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا اس زمانہ میں فارسی زبان اور ہندی بھاشا بہت مل گئی اور بعضے فارسی لفظوں اور اکثر بھاشا کے لفظوں میں بسبب کثرت استعمال کے تغیر و تبدیل ہو گئی غرضکہ لشکر بادشاہی اور اردوئے معلی میں ان دونوں زبانوں کی ترکیب سے نئی زبان پیدا ہو گئی اور اسی سبب سے زبان اردو نام ہوا، پھر کثرت استعمال سے لفظ زبان محذوف ہو کر اس زبان کو اردو کہنے لگے۔ رفتہ رفتہ اس زبان کی تہذیب اور آراستگی ہوتی گئی یہاں تک کہ تخمیناً ۱۱۰۰ھ مطابق ۱۶۸۸ء کے یعنی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں شعر کہنا شروع ہوا۔" [1]

---

[1] آثار الصنادید طبع نامی پریس کانپور ۱۹۰۴ء حصہ سوم ص۱۰۴ و ص۱۰۵

میر امن دہلوی نے باغ و بہار (تالیف ۱۲۱۵ھ ۱۸۰۱ء) کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ

جب اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھا تب چاروں طرف کے ملکوں سے سب قوم قدردانی اور فیض رسانی اس خاندان لاثانی کی سن کر حضور میں آ کر جمع ہوئے، لیکن ہر ایک کی گویائی اور بولی جدی جدی تھی اکٹھے ہونے سے آپس میں لین دین سودا سلف سوال جواب کرتے ایک زبان اردو مقرر ہوئی۔[1]

مولوی عبد الغفور خاں نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ (تالیف ۱۲۷۵ھ) میں لکھا ہے :-

" زبان اردو روزمرہ شہر دہلی کو کہتے ہیں، اس شہر میں قدیم الایام سے برابر زبان ہندی مروج تھی، ہر شخص اسی زبان میں کلام کرتا تھا جب ۵۸۹ھ میں سلطان معز الدین مشہور شہاب الدین محمد غوری نے ملک ہند پر چڑھائی کی اہل ہند کو شکست دی رائے پتھورا کا کام تمام کیا، تمام ملک ہند سلاطین غور کے قبضہ اختیار میں آیا رفتہ رفتہ زبان قدیم میں الفاظ فارسی عربی و ترکی ملتا گیا، جب محمد شاہ بن تغلق شاہ سریر آرائے سلطنت ہوئے تو باشندگان دہلی پر ایک تازہ ظلم کیا ان کو شہر میں رہنے نہ دیا، دیوگیر معروف بدولت آباد میں بھیج دیا، اور پھر قبل اپنی سلطنت کے زوال کے ان لوگوں کو دہلی میں بلا لیا، اس نقل و حرکت کے باعث اہت سے الفاظ دکھنی بھی زبان

---

[1] باغ و بہار۔ طبع لندن ۱۸۶۰ء

دہلی میں مل گئے، یہی انداز گفتگو آخر عہد جہانگیر بادشاہ تک رہا لیکن جب شاہجہاں بادشاہ نے سنہ ۱۰۵۸ھ میں شاہجہاں آباد کو آباد کیا تو شاہجہاں آباد میں اطراف و جوانب عالم سے ہر قسم کے ذی علم اور صاحب استعداد اور قابل لوگ مجتمع ہوئے قدیم ہندی متروک ہونے لگی، محاورے میں فرق ہونے لگا، زبان اردو کی ترقی شروع ہوئی[1]۔

مرحوم سرسید کا بیان ہے کہ شاہجہاں (سنہ ۱۰۳۷ھ سنہ ۱۰۶۹ھ) کے زمانہ تک برج بھاشا میں کوئی تغیر نہیں ہوا، جب شاہجہاں آباد آباد ہوا تو وہاں کے شاہی لشکر اور اردوئے معلی میں برج بھاشا اور فارسی کی ترکیب سے اردو زبان پیدا ہوئی، اس کے برخلاف میر امّن دہلوی کہتے ہیں کہ اکبر (سنہ ۹۶۳ھ سنہ ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہوئی ہے، دونوں کے برخلاف مولانا نساخ کا بیان ہے کہ محمد بن سام (سنہ ۵۶۹ھ سنہ ۶۰۲ھ) کی فتوحات کے بعد اور محمد بن تغلق (سنہ ۷۲۵ھ سنہ ۷۵۲ھ) کی تخت نشینی سے پہلے اردو کی بنیاد پڑی ہے۔

اردو کی ابتدا کے متعلق مستشرقین یورپ کی تصریحات

یہ بیانات مقامی مصنفین کے تھے۔ اب ہم یورپین مستشرقین کی تصریحات کو بیان کرتے ہیں۔

مسٹر بیمس نے اپنے گرامر میں لکھا ہے کہ فتح ہندوستان کے بعد عرصہ دراز تک مسلمانوں نے فارسی کو اور ہندوؤں نے ہندی کو محفوظ رکھا، مسلمان مدت تک

---

[1] رسالہ تحقیق زبان ریختہ طبع ۱۹۰۱ء ص ۳ ص ۴

فصیح ہندی بولنے کے عادی تھے اور انہوں نے ہندی میں فارسی الفاظ کو نہیں ملایا تھا، اکبر (۹۶۳ھ - ۱۰۱۴ھ) کے زمانہ میں جب راجہ ٹوڈرمل نے طریق مالگذاری کو رواج دیا تو ہندو فارسی زبان سیکھنے پر مجبور ہوئے اس زمانہ میں ہندی میں فارسی الفاظ کی آمیزش شروع ہوئی اور اس طرح پر ایک جدید زبان کی بنیاد پڑی [۱]

اردو کے مشہور سرپرست ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے ہندوستانی فیلالوجی میں ایک مسلمان مورخ کی سند پر لکھا ہے کہ جب تیمور (۷۷۱ھ - ۸۰۷ھ) نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت سے اردو کی بنیاد قائم ہوئی [۲]

مشہور مستشرق کولبروک کی رائے میں پندرھویں صدی عیسوی (نویں صدی ہجری) کے اخیر ایام سے برج بھاشا میں تغیر شروع ہوا اور اس نے ترقی پاکر ایک جدید زبان کی صورت اختیار کرلی [۳]

ڈاکٹر ونیٹرنز (جس نے جرمن میں ادبیات ہندوستان کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے) کا بیان ہے کہ بارھویں صدی عیسوی (چھٹی صدی ہجری) میں جب مسلمانوں نے ہندوستان پر تسلط حاصل کیا تو عربی فارسی الفاظ

---

۱. Beames - A - Comparative Grammar of the Modern Aryan Lanuges of India P. 15

۲. Dr. Gilchrist Hindostani PHILOLOGY

۳. Colebroke - ASIATIC RESEARCHES VOL. VII P.P. 220.

برج بھاشا میں ملنے لگے اور اس تغیر کے باعث سولھویں صدی عیسوی
(گیارہویں صدی ہجری) تک ایک نئی زبان پیدا ہو گئی۔[1]

آل سبکتگین کے زمانہ میں اردو کی بنیاد قائم ہوئی ہے

اوپر جو اقتباسات درج ہوئے ہیں ان سے صحیح
نتیجہ کے اخذ کرنے کی کوشش کرنا بے سود ہے
کیونکہ ان مصنفین نے عدم واقفیت کے باعث اردو کی سرگذشت کو
بالکل نظرانداز کر دیا ہے جو دکن سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی وجہ سے
ان کی تصریحات نہایت ناقص اور متضاد ہو گئی ہیں۔ تاریخ زبان اردو کا یہ تاریک
حصہ جو کئی صدیوں پر پھیلا ہوا ہے اگر روشنی میں لایا جائے اور اس کی بنیاد پر
اردو زبان کی عہد بعہد ترقیاں مطالعہ کی جائیں اور اس کے بعد اس کی
تاریخ کو سلسلہ وار ترتیب دیا جائے تو ایسی صورت میں ماننا پڑتا ہے کہ
آل سبکتگین کے زمانہ میں اردو زبان کی ابتدا ہوئی ہے۔

سلطان محمود کے مقبوضات وسط ایشیا میں دور دور تک پھیلے ہوئے
تھے، ماوراءالنہر، خوارزم، خراسان، اور فارس کا بہت بڑا حصہ اس کی
سلطنت میں شامل تھا، لیکن مسعود بن محمود (۴۲۱ھ تا ۴۳۱ھ) کے زمانہ
میں آل سلجوق نے تمام ملک چھین لیا،[2] اور مودود بن مسعود (۴۳۲ھ تا ۴۴۰ھ)
جب برسر حکومت ہوا تو صرف افغانستان و ہندوستان آل سبکتگین کے قبضہ

---

1. DR. WINTENITZ GESHIOHTE DER INDICHEN LITTERATUR. P.P. 139

2. روضۃ الصفا جلد چہارم ص ۱۰۰

میں باقی رہ گئے تھے، مسعود کے اعیان و امرا، اور دیگر متوسلین جو وسط ایشیا میں رہتے تھے آل سلجوق کی تاخت و تاز میں بے خانماں ہو گئے تو ہندوستان میں آکر آباد ہوئے اور یہاں کی مستقل سکونت اختیار کر لی۔

ان نوواردوں نے ہندؤں کے ساتھ بہت میل جول پیدا کر لیا اور یہاں کی زبان بھی سیکھ لی اور اس میں اس قدر کمال حاصل کر لیا کہ اہل زبان ہو گئے۔ چنانچہ مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ النکتی جو سلطان ابراہیم (سنہ ۴۹۲ھ تا ۵۱۵ھ) کے زمانہ میں گذرے ہیں، فارسی کے مشہور شاعر ہیں، ہندی میں بھی شعر کہا کرتے تھے اور اپنے ہندی کلام کے دواوین بھی مرتب کئے تھے [۱]

سلطان محمود کے دربار میں بہت ہندو ملازم تھے، ایک ہندو جس کا نام بجرائے تھا، سلطان نے لشکر کا افسر مقرر کیا تھا اور اس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے [۲] سلطان مسعود نے ہندوؤں کا ایک لشکر ترتیب دیا تھا اس کے افسر اور سپہ سالار بھی ہندو مقرر کئے تھے، افسر کا نام ناتھ اور سپہ سالار کا نام تلک تھا۔ سنہ ۴۲۶ھ میں جب احمد نیالتگین نے ہندوستان میں بغاوت کی تو اس کی مدافعت کے لئے مسعود نے ناتھ کو روانہ کیا، ایک لڑائی میں جب ناتھ مارا گیا تو اس کی جگہ تلک مامور ہوا اور اس نے نہایت عمدگی کے ساتھ نیالتگیں کی بغاوت فرو کی [۳]

---

[۱] عوفی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ و ہفت اقلیم در تحت لاہور

[۲] طبقات اکبری صفحہ ۱۵

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آل سبکتگین کے زمانہ میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے گہرے تعلقات قائم ہو گئے تھے میل جول اور تبادلۂ خیالات کی وجہ سے ہندی زبان میں تغیر شروع ہو گیا تھا اور اسی زمانہ سے ایک جدید زبان کی بنیاد قائم ہوئی تھی[1] اور عہد بہ عہد ترقی کرتے ہوئے ساتھی صدی تک اس نے ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصہ دراز سے یہاں کی بود و باش اختیار کر لی تھی، اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔

ساتویں اور آٹھویں صدی کی زبان کے اگرچہ کہ ہمارے پاس کوئی مستقل نمونے موجود نہیں ہیں لیکن صوفیائے کرام کے ملفوظات اور تاریخ و تراجم کی کتابوں میں اردو کے بہت سے مقولے تحریر ہیں اور ان سے اس بات کا تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی کیا حالت تھی اور اس میں عہد بہ عہد کس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

(۵)

شیخ فرید گنج شکر اور زبان اردو

شیخ فرید الدین گنج شکر ساتویں صدی کے مشاہیر مشائخین سے ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے خلیفہ تھے ۶۶۸ھ

---

[1] الفنسٹن ہسٹری طبع ۱۹۰۵ء صفحہ ۳۴۵

میں انتقال فرمایا ہے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ بدر الدین الحق نے بیان کیا ہے کہ آپ اپنے دوست کو "بھیا" کہا کرتے تھے[۲] جواہر فریدی میں (جو بعہد جہانگیر ۱۰۳۳ھ میں تالیف ہوئی ہے)، لکھا ہوا ہے کہ بزمانہ قیام دہلی آپ کو چشم آشوب کی شکایت ہو گئی، اور آنکھ پر پٹی باندھ کر اپنے پیر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں حاضر ہوئے پیر نے پٹی باندھنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا، "آنکھ آئی ہے" اس کے جواب میں پیر کا ارشاد ہوا، "اگر آنکھ آئی ہے ایں راچرا بستہ اید"۔[۳]

شیخ سراج الدین عثمان جو اخی سراج کے لقب سے مشہور ہیں سلطان المشائخ شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ تھے ۷۵۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا[۴]، سلطان المشائخ کی وفات کے بعد جو ۷۲۵ھ میں واقع ہوئی ہے[۵] آپ بنگالہ سے دہلی تشریف لائے اور خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے خرقہ خلافت حاصل کیا خواجہ نے بنگالہ جانے کی ترغیب دی لیکن اخی سراج نے عرض کیا کہ وہاں پہلے سے شیخ علاء الدین تلی موجود ہیں اور خلائق کا رجحان ان کی جانب ہے، میرے وہاں جانے سے کیا نتیجہ ہے اس پر خواجہ صاحب نے ہندی میں ارشاد فرمایا "تم اوپرے رہے نتلے"، شیخ اخی سراج کو اس بشارت سے بے حد مسرت ہوئی اور وہ خود آ بنگالہ

۱۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۶۹ شہزادہ داراشکوہ نے ۶۶۴ھ لکھا ہے (سفینۃ الاولیا صفحہ ۹۶)
۲۔ اسرار الاولیا صفحہ ۳۔ ۳۔ جواہر فریدی صفحہ ۲۰۹ ۴۔ خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۵۸
۵۔ آئین اکبری جلد سوم صفحہ ۲۷۰

کی جانب روانہ ہوئے۔ ؎۱

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا مقولہ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو درازؒ دکن کے مشہور بزرگ ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے ؎۲ آپ کے ایک مرید عبداللہ بن عبدالرحمٰن چشتی نے ایک کتاب عشق نامہ کے نام سے تصوف میں لکھی ہے اور اس میں اپنے مرشد کا یہ مقولہ نقل کیا ہے۔

"بھجو کوں ہوئے سوں خدا کچھ اپڑیتا ہے خدا کوں اپڑنے کی استعداد ہور ہے"

قطب عالم گجراتی کے اقوال

سید برہان الدین عبداللہ بن محمود قطب الاقطاب سید جلال الدین حسینیؒ کے پوتے تھے ۸۰۳ھ میں گجرات آکر پٹن میں سکونت پذیر ہوئے، سلطان احمد (۸۱۴ھ ۸۴۶ھ) نے جب احمد آباد آباد کیا تو پٹن سے احمد آباد تشریف لائے، آپ کے فرزند کا نام سراج الدین سید محمدؒ بن عبداللہ تھا۔ اہل گجرات آپ کو قطب عالمؒ اور فرزند کو شاہ عالمؒ کہا کرتے تھے۔ دونوں بڑے ذی وجاہت ؎۳ اور بلند پایہ بزرگ تھے ۸۵۷ھ میں قطب عالم نے اور ۸۸۰ھ میں شاہ عالمؒ نے انتقال فرمایا ہے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ قطب عالمؒ نماز تہجد کے لئے اٹھے اور صحن میں آئے تو ایک لکڑی سے ٹھیس لگی۔ اس وقت آپ نے فرمایا "کیا

؎۱ تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۳۹۹ ؎۲ آئین اکبری جلد سوم ص۲۶۵

؎۳ اخبار الاخیار ص۱۵۶

ہے لوہا ہے، یا لکڑی ہے، یا پتھر"۔ ۵

شاہ بارک اللہ چشتیؒ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور احمد آباد میں رہا کرتے تھے، جناب رسالت مآب صلعم نے ایک روز خواب میں شیخ سراج الدینؒ کو بشارت دی کہ تمہارا لقب شاہ عالم ہوگا اور تمہیں اس لقب سے شاہ بارک اللہؒ نامزد کریں گے، شیخ سراج الدینؒ جب شاہ بارک اللہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دیکھتے ہی شاہ عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور اس روز سے شاہ عالم آپ کا خطاب مشہور ہوگیا، شاہ عالم نے جب اس واقعہ کو اپنے والد قطب عالم سے بیان کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، "چشتیوں نے پکائی اور راسے نجاریوں نے کھائی"۔ ۲

شیخ وجیہ الدین گجراتی کے ملفوظات

شیخ وجیہ الدین علوی گجرات کے علمائے کبار اور مشائخین عظام سے ہیں ۹۱۱ھ میں چنپانیر میں پیدا ہوئے ملا عماد الدین طارمی کے شاگرد اور شیخ محمد غوثؒ گوالیاری کے خلیفہ تھے، ۱۹، صفر ۹۹۸ھ کو آپ نے کا انتقال فرمایا ہے، تفسیر، حدیث فقہ، کلام، منطق، فلسفہ، بیان و معانی وغیرہ میں جسقدر مشہور اور متداول کتابیں ہیں ان سب پر آپ نے حواشی لکھے ہیں، علاوہ ازیں آپ آپ کی اور بھی بہت سی تصنیفات ہیں، منجملہ ان کے اکثر کتابوں کے نام مولانا آزاد بلگرامی نے سبحۃ المرجان میں لکھے ہیں ۳

---

۱ تحفۃ الکرام ص۱۷ ۲ تحفۃ الکرام ص۴۸ و ۴۹ ۳ منتخب التواریخ ص۴۲ سبحۃ المرجان ص۵۸ اخبار الاخیار ص۲۵۱ میں آپ کا ۹۹۷ھ سال وفات لکھا ہے۔

آپ کے مریدوں نے بحر الحقائق کے نام سے آپ کے ہندی ملفوظات جمع کئے ہیں۔ اس کے چند مقامات ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) کسے گفت کہ میاں شیخ فضل اللہ ترک درس کردند
فرمودند "جب ترقی پکڑیں گے تب آپیں درس کہیں گے"

(۲) عزیزے التماس کرد کہ اگر اجازت شود اربعین نشینم
فرمودند" اس سیں ہور کیا خوب ہے، اس دنیا میں دل خدا سوں مشغول ہووے"

(۳) شخصے عرض کرد کہ عارف کرا گویند
فرمودند "عارف اسے کہویں جو خدا سوں بھریا ہووے"

(۴) آپ کا یک مقولہ ہے۔
اگر کسی کوں تھوڑی بھی صفا ہووے، جو حرام لقمہ کھاوے یا حرام فعل کرے تو تنبیہ پیچ (اسیوقت) پاوے، دوجے (دوسرے) وار بھی پاوے، تیجے (تیسرے) وار بھی پاوے

سید ہاشم بیجاپوری کے اقوال

سید شاہ ہاشم علوی، شیخ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے اور شیخ برہان الدین کے فرزند تھے، ابراہیم عادل شاہ جگت گرو (۹۸۷ھ – ۱۰۳۵ھ) کے زمانہ میں بیجاپور میں تشریف لائے اور محمد عادل شاہ (۱۰۳۵ھ – ۱۰۷۰ھ) کے زمانہ میں ۹ رمضان ۱۰۵۹ھ کو انتقال فرمایا، شاہ مراد بن شاہ جلال نے جو آپ کے مرید خاص تھے آپ کے اذکار و اشغال اور ہندی ابیات و اقوال جمع کئے اور اس کا نام مقصود

العاشقین رکھا کتاب شاہ صاحب کے چند اقوال ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

(۱) ہاشم جی کی سنئے بات جننے رکھی باسی بات
اس کا جاوے ہاتے ہات

---

(۲) باپ کے اننا دیوے سو پوت باپ نیں، دیوے سوسپوت
باپ کا دیا چھینے سو کپوت

---

(۳) دنیا چھوڑے بشیخ کہائے یہ حجاب تجھ کھولے نلائے
دبنی شیخی سوں یک میدان پیلے جھوٹے دوجے شیطان
پہلے دوسرے

شاہ نظام الدینؒ۔ شاہ ہاشم کے مرید خاص تھے، صاحب مقصود العاشقین نے ان کا بھی ایک دوہرہ نقل کیا ہے۔
نظام بندگی کرے، تو کیا ہوئے، اول جس کا نین دل صفا
جامہ سونڈے میں ڈب رہا، اسے خوشبو لگائے تو کیا نفع

ہندوؤں کی زبان کے نمونے

اوپر جو کچھ مذکور ہوئے ہیں، وہ مسلمانوں کی زبان کے نمونے تھے، اب ہندوؤں کی زبان کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے،

کبیر داس بنارس کے، رہنے والے۔ گرو راما نند کے چیلے اور ہندوؤں

کے مشہور موحد گزرے ہیں، سلطان بہلول (سنہ سنہ)، اور سکندر لودی
(۸۹۴ھ تا ۹۲۳ھ) کے معاصر تھے ۸۴۰ھ کے قریب پیدا ہوئے اور سنہ ۹۲۴ھ
میں فوت ہوئے، گورکھپور کے قریب مگھر میں مسلمانوں نے ان کا مقبرہ بنایا
ہے ذوالفقار اردستانی نے دبستان المذاہب میں ان کے حالات لکھے ہیں۔
کبیر کے دوہے بھی برج بھاشا میں ہیں، لیکن اس زبان میں نہیں ہیں
جو تحریر کے لئے مخصوص تھی بلکہ ان کی زبان وہ ہے جسے روزمرہ کی بول چال
میں ہندو استعمال کرتے تھے اس میں اور مسلمانوں کی زبان میں صرف یہ فرق
تھا کہ مسلمان عربی فارسی الفاظ ملاتے تھے اور اس کے برخلاف ہندوؤں
کی زبان میں سنسکرت الفاظ کی کثرت ہوا کرتی تھی۔

ایسا کوئی نہ ملا جا سوں رہیئے لاگ — سب جگ جلتا دیکھا اپنی اپنی آگ

سکھ میں سمرن نا کیا، دکھ میں کیا یاد — کہیں کبیر تا داس کی کون سنے فریاد

نینوں کی کر کوٹھری پلنگ بچھائے — پلکوں کی چق ڈال کے پیا کو کیا رجھائے

غوطہ مارا سندھ میں موتی لائے پیٹھ — وہ کیا موتی پائیں گے جو رہے کنارے بیٹھ

سیج بچھاوے سندری انتر پردا ہووے — تن سونپے من دے نہیں خصم خوشی کیوں ہوئے

کبیرا لوہا ایک ہے گڑھنے کا ہے پھیر — لوہے سے بکتر بنے لوہے سے شمشیر

کبیر شریر سرائے ہے کیوں سوئے سکھ چین
کوچ نقارا سانس کا باجت ہے دن رین

کبیر سے پہلے اور ان کے بعد ہندی کے اور بھی شاعر گزرے ہیں، مثلاً سور داس (۹۹۰ھ)، تلسی داس (۱۰۲۳ھ) وغیرہ لیکن ان کی اور کبیر کی زبان میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اس لئے ہم نے قلم انداز کر دیا ہے

نویں صدی سے پہلے اردو کی وسعت

اوپر کے اقتباسات سے ظاہر ہو رہا ہے کہ نویں صدی تک اردو زبان، ہندوستان میں رائج ہو گئی تھی، اور بالخصوص دوآب، دکن اور گجرات میں جسے تاریخ کی رو سے ہندوستان اسلامی کہنا چاہیئے، عام طور پر بولی جاتی تھی، اس زبان میں نہ صرف عوام الناس ہی بات کرتے تھے بلکہ علماء اور مشائخین کے وعظ و تذکیر بھی اسی زبان میں ہوا کرتے تھے۔

اردو ہندوستان سے باہر

آٹھویں اور نویں صدی میں ہندوستان کے بہت سے علما مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جا کر سکونت پذیر ہو گئے تھے، علاوہ ان کے ہر سال سینکڑوں مسلمان ہندوستان سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے اور کئی سال وہاں رہ کر واپس آتے تھے، ان کی رہائش کے لئے ان مقامات میں بڑے بڑے رباطات بنے ہوئے تھے، اور ان کے اخراجات کے لئے ہندوستان کی سلطنتیں لکھو کھا روپیہ بھیجا کرتی تھیں ان رباطات کے انتظامات عربوں کے ہاتھ میں تھے اور انہیں ہر وقت ہندوستانیوں سے سابقہ رہتا تھا، اس لئے انہوں نے اردو بولنا سیکھ لیا تھا، ان کے علاوہ ان مقامات کے اکثر تجار بھی ہندوستانیوں

کے میل جول کے باعث اردو میں گفتگو کرنے کے عادی ہوگئے تھے[1]

شیخ عبدالوہاب متقی، ہندوستان کے ایک مشہور عالم ہیں مالوہ آپ کا وطن تھا، گجرات، دکن، سراندیپ کی سیاحت کرتے ہوئے سنہ ۹۶۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے، مولانا علی متقی جو برہان پور کے باشندے اور علوم شرعیہ کے زبردست عالم اور ولی کامل تھے، آپ سے بہت پہلے مکہ معظمہ میں جاکر سکونت پذیر ہوگئے تھے شیخ عبدالوہاب مولانا کے مریدوں میں شامل ہوگئے اور بارہ سال خدمت میں حاضر رہ کر تفسیر حدیث فقہ اور دیگر علوم شرعیہ میں کمال حاصل کیا سنہ ۹۷۵ھ میں جب مولانا کا انتقال ہوا تو انتقال کے روز مولانا نے شیخ عبدالوہاب کو اپنا خلیفہ و جانشین قرار دیا، اس کے بعد شیخ عبدالوہاب چھتیس سال مکہ معظمہ میں زندہ رہے، اور مولانا کی طرح حدیث و فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا درس جاری رکھا سنہ ۱۰۰۱ھ میں بمقام مکہ معظمہ آپ فوت ہوئے۔

حرم کعبہ میں بزبان اردو علوم دینیہ کا درس

شیخ کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ آپ حرم شریف میں تشریف رکھتے اور درس کے لئے طلبہ جمع ہوتے اس کے عربوں کو عربی میں عجمیوں کو فارسی میں، ہندیوں کو اردو میں درس دیا کرتے۔

---

[1] یہ واقعات آثار المدینہ، زاد المتقین، جذب القلوب اور اخبار المکہ سے اخذ کیے گئے ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جو مولانا علی متقی کے صحبت یافتہ اور شیخ عبد الوہاب متقی کے خلیفہ و جانشین ہیں ان دونوں بزرگوں کے حالات میں ایک کتاب ۱۰۲۳ھ میں لکھی ہے اور اس کا نام زاد المتقین الی طریق سلوک الیقین رکھا ہے اس میں شیخ عبد الوہاب کا طریقہ درس اس طرح مذکور ہے۔

"طریقۂ ایشاں در تعلیم و تدریس علم آنست کہ اگر کسے از علوم دینیہ چیزے طلب کند او را درس بگویند، ہر علمی کہ باشد، اما اگر از تفسیر و حدیث و تصوف بخوانند خوش حال تر و راضی تر باشند و بعد از مفید شدن بدرس در تحقیق و تشخیص مبالغہ نہ کنند مہما امکن در تفتیش و تنقیر حواشی و شروح کد نمایند و ہمت تمام مصروف بایں جانب سازند و سخن را مجمل نہ گزارند چنانکہ طالب علم را تشفی تمام حاصل آید بے آنکہ تعلق و تشدق لسانی درمیان باشد و با ہر کس بزبان او سخن کنند و با ہندیان در تقریر فارسی تکلف نکنند و ہم بہ زبان ہندی اکتفا فرمایند۔ اگر حین درس شخصے عجمی یا عربی حاضر شود ہمین وے تقریر را تغیر ندہند و بقصد استماع وے سخن غریب را از جنس حقائق و دقائق اعادہ و تکرار نہ کنند۔ مگر آنکہ چیزے بپرسد و در استفادہ مشارکت نماید و ہمچناں مقدار برانداز وہ سوال بزبان وے سخن کنند و جواب گویند سالہا در حرم شریف ایں علوم را درس گفتہ اند۔"

(۶)

امیر خسروؔ اور اردو زبان ساتویں صدی کی اردو کا بہترین نمونہ حضرت امیر خسروؔ کی نظمیات ہیں ان سے نہ صرف اس عہد کی زبان کا پتہ چلتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت جو زبان رائج تھی وہ موجودہ زبان سے زیادہ غیر مانوس نہیں تھی ۔

حضرت امیر خسروؔ ۶۵۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹ ذیقعدہ ۷۲۵ھ کو انتقال فرمایا، سلطان غیاث الدین بلبن (۶۶۴ھ ۶۰۸ھ) کے عہد سے سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ ۷۵۲ھ) تک گیارہ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا، ان میں سے سات بادشاہوں کی ملازمت کی دہلی میں رہا کرتے تھے، لیکن ملازمت کی تقریب سے ملتان اور بنگالہ میں بھی جانے کا اتفاق ہوا تھا، تقی اوحدی نے اپنے تذکرہ میں (جو ۱۰۲۴ھ میں تمام ہوا ہے)، لکھا ہے کہ حضرت امیر خسروؔ کا ہندی کلام فارسی کلام سے بہت زیادہ ہے، لیکن اوحدی کا یہ بیان اس وقت ایک افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا ہے، زمانہ کے ناقدرا نھوں نے اس تمام ذخیرے کو تباہ برباد کر دیا، تھوڑا سا حصہ جو زمانہ کی دست برد سے بچ گیا ہے وہ بھی اب تک پردۂ خفا میں مستور ہے ۔

شاہان اودھ کے کتب خانوں میں جو موتی محل اور توپخانہ میں تھے حضرت امیر خسروؔ کے دو سو چیستان موجود تھے اور ان کے علاوہ ایک مجموعہ

میں ان کا متفرق کلام جمع تھا جس میں فارسی آمیز غزلیں اور پکر نیاں وغیرہ تھیں ان دونوں مجموعوں کو ڈاکٹر اسپرنگر نے دیکھا تھا اور ان کے متعلق ایک مضمون بھی لکھا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام

حضرت امیر خسروؒ کا فارسی آمیز کلام نہایت کمیاب ہے اس وقت تک دو غزلیں اور دو متفرق شعر دستیاب ہوئے ہیں، جو ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

زحال مسکیں مکن تغافل درائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبان ہجر دراز چوں زلف و روز وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑی ہے جو جا سناوے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چو شمع سوزاں چو ذرہ حیراں ہمیشہ گریاں بعشق آں مہ
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آئیں نہ بھیجیں پتیاں
بحق روز وصال دلبر کہ داد مارا فریب خسروؔ
سپیت من کے ورائے راکھوں جو جانے پاؤں پیا کے کھتیاں

خوار شدم زار شدم لٹ گیا	در غم ہجر تو کمر ٹوٹا ہے
یار نہیں دیکھتا ہے سوئے من	بے گنہ ہم ساتھ عجب روٹھا ہے

روئے تو رونق شکن آفتاب	سرو بہ پیش قد بوٹہ ہے
گاہ ز خسرو تو نہ گفتہ کہ بیٹھ	وہ چہ کند بھاگ مرا پھوٹہ ہے

زرگر پسرے چو ماہ پارا	کچھ گھڑیے سنوا یے پکارا
نقد دل من گرفت و بشکست	پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

حضرت امیر خسروؒ کے چیستان

حضرت امیر خسروؒ کے حسب ذیل چیستان ڈاکٹر اسپرنگر کے مضمون سے ماخوذ ہیں۔

حمد الٰہی

سب کوئی اس کو جانے ہے	ہر ایک نہیں پہچانے ہے
آٹھ دھڑی میں لیکھا ہے	فکر کیا ان کو دیکھا ہے

خربزہ

دس ناری کا ایک ہی نر	بستی باہر وا کا گھر
پیٹھ سخت اور پیٹ نرم	منہ میٹھا تاثیر گرم

چراغ

بالا تھا جب سب کو بھایا	بڑا ہوا کچھ کام نہ آیا
خسرو کہہ دیا اس کا ناؤں	بوجھے نہیں تو چھوڑ دو گاؤں

قینچی

اندر چلمن باہر چلمن بیچ کلیجہ دھڑکے	امیر خسرو یوں کہیں وہ دو دو انگل سرکے
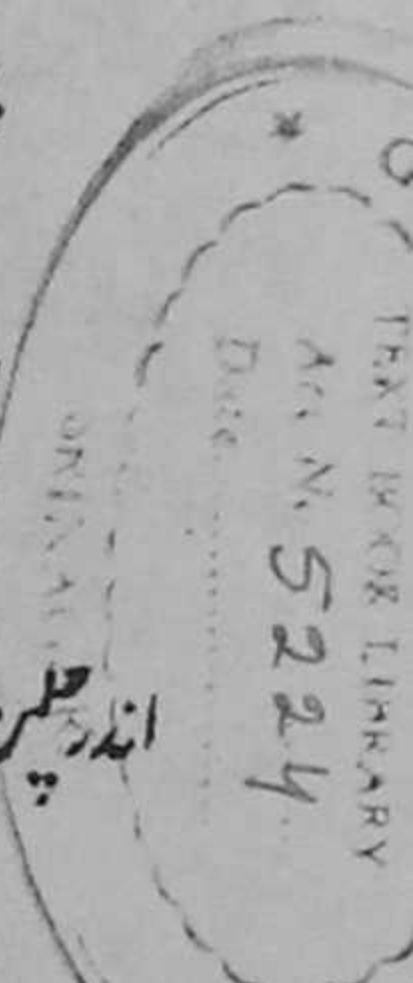
کاجل

جل کر نے جل میں رہے   آنکھوں دیکھا خسرو کہے

بئے کا گھونسلہ

ایک انوکھا گرہ بنایا   اوپر نیو نیچے گھر چھایا
بانس نہ بلی، بندھن گھنے   کہو خسرو گھر کیسے بنے

فارسی لغات اور ان کے اردو مترادفات آٹھویں صدی سے دسویں صدی تک شمالی ہندوستان میں فارسی زبان کے چار مشہور و مستند لغات لکھے گئے ہیں (۱) ان میں سب سے قدیم محمد بن قوام بن رستم بلخی کی بحر الفضائل فی منافع الافاضل ہے، جو ۷۹۵ھ سے پہلے تصنیف ہوئی ہے اس کی دو جلدیں ہیں پہلی جلد میں فارسی کے عام الفاظ ہیں، ان کے ضمن میں اکثر الفاظ کے ہندی مترادف بیان کئے ہیں، دوسری جلد کے چودھویں باب میں ان ہندی الفاظ کو جمع کیا ہے جو ہندی نظموں میں آئے ہیں، یہ باب ادبیات اردو کی ابتدائی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے وقت آٹھویں صدی کے اخیر ایام میں مسلمان فارسی کے علاوہ عام طور پر ہندی زبان بولتے تھے اور اس زمانہ میں اس میں نظمیں بھی لکھی گئی تھیں اور وہ اس قدر مقبول و مشہور تھیں کہ مصنف کو ان کا لغت فارسی میں مدون کرنے کی ضرورت پیش آئی [1]

---

[1] بحر الفضائل اور اس کے مصنف کی نسبت ہم نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے جو رسالہ زمانہ بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲) بحر الفضائل کے بعد آدات الفضلا ہے اس کو قاضی خاں ملا نذر محمد دہلوی نے امیر تیمور کی یورش کے بیس سال بعد سنہ ۸۲۲ھ میں مرتب کیا ہے (۳) اس کے تئیس سال بعد قوام الدین ابراہیم فاروقی نے ایک ضخیم لغت مدون کیا اور اسے اپنے مرشد شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے نام پر اس کا نام شرف نامہ رکھا یہ کتاب بنگالہ میں سلطان رکن الدین باربک شاہ بن ناصر الدین محمود کے زمانہ میں ختم ہوئی ہے، باربک شاہ سنہ ۸۶۲ھ سے ۸۷۹ھ تک بنگالہ میں حکمراں رہا ہے (۴) اس کے بعد شیخ لاد دہلوی المتوفی سنہ ۹۲۵ھ نے سلطان ابراہیم لودھی کے زمانہ میں مؤید الفضلا کو مرتب کیا، یہ آخر الذکر لغات پہلے کے دونوں لغات سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے۔

ان تینوں مصنفین نے اکثر مقامات پر فارسی عربی الفاظ کے معنی بیان کرتے ہوئے ان کے ہندی مترادفات بھی بیان کئے ہیں اور مؤید الفضلا نے اس کا التزام خصوصیت سے کیا ہے اس کتاب میں ایسے فارسی الفاظ کم و بیش (۱۰۷) ہیں جن کے معنی اردو الفاظ میں بیان کئے ہیں اور اس تقریب میں اس کتاب میں جو اردو الفاظ آ گئے ہیں ان کی تعداد کم و بیش (۸۰۰) ہے۔

یہ تمام الفاظ قریب قریب ایسے ہیں جو اس وقت بھی ہماری زبان میں موجود اور عام طور پر بولے جاتے ہیں۔

سلطنت بہمنیہ

سنہ ۷۴۸ھ تا سنہ ۹۳۲ھ

(۱) علاء الدین بہمن شاہ	سنہ ۷۴۸ھ تا سنہ ۷۵۹ھ
(۲) محمد شاہ بن بہمن شاہ	سنہ ۷۵۹ھ تا سنہ ۷۷۷ھ
(۳) علاء الدین مجاہد شاہ	سنہ ۷۷۷ھ تا سنہ ۷۸۰ھ
(۴) داؤد شاہ	سنہ ۷۸۰ھ
(۵) محمد شاہ [1]	سنہ ۷۸۰ھ تا سنہ ۷۹۹ھ
(۶) غیاث الدین	سنہ ۷۹۹ھ
۷. شمس الدین داؤد شاہ ثانی [2]	سنہ ۷۹۹ھ تا سنہ ۸۰۰ھ
۸. تاج الدین فیروز شاہ	سنہ ۸۰۰ھ تا سنہ ۸۲۵ھ
۹. شہاب الدین احمد شاہ اول	سنہ ۸۲۵ھ تا سنہ ۸۳۸ھ
۱۰. علاء الدین احمد شاہ ثانی	سنہ ۸۳۸ھ تا سنہ ۸۶۲ھ
۱۰ علاء الدین ہمایوں شاہ	سنہ ۸۶۲ھ تا سنہ ۸۶۵ھ

---

[1] فرشتہ نے اس کا نام محمود شاہ لکھا ہے لیکن سکہ جات محمد شاہ مسکوک ہے۔ ٹامس کرانیکل صفحہ ۳۴۷

[2] سکوں پر اس کا لقب داؤد شاہ تحریر ہے، نیومسماٹک سپلیمنٹ نمبر ۱۱، آرٹیکل ۶۴ نمبر ۶ رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ۱۲

۱۲۔ احمد شاہ ثالث [1]	سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ
۱۳۔ شمس الدین محمد شاہ ثالث	سنہ ۸۶۷ھ تا سنہ ۸۸۷ھ
۱۴۔ محمود شاہ	سنہ ۸۸۷ھ تا سنہ ۹۲۴ھ
۱۵۔ احمد شاہ رابع	سنہ ۹۲۴ھ تا سنہ ۹۲۷ھ
۱۶۔ علاء الدین	سنہ ۹۲۷ھ تا سنہ ۹۲۹ھ
۱۷۔ ولی اللہ	سنہ ۹۲۹ھ تا سنہ ۹۳۲ھ
۱۸۔ کلیم اللہ	سنہ ۹۳۲ھ

سلطنت بہمنیہ کا بانی ایک عالی خاندان امیر تھا

ملک ہزبر الدین ظفر خان، سلطان علاء الدین خلجی کے دربار کا امیر الامرا اور اقطاع سمانہ و پنجاب و ملتان کا گورنر تھا سنہ ۶۹۷ھ میں جب مغولان ماوراء النہر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو ان کی مدافعت کرتا ہوا[2] عین معرکہ میں شہید ہوا اس کے دو بھانجے تھے علی شاہ اور حسن بہمنی[3] یہ دونوں سلطان محمد تغلق کے امرائے صدہ میں شامل تھے، اور انہیں سلطان نے اپنے استاد قتلغ خاں کے ہمراہ دکن میں روانہ کیا تھا، سنہ ۷۴۶ھ میں علی شاہ محصول سلطانی وصول کرنے کے لئے گلبرگہ میں آیا اور جب اس علاقہ کو عمالان سلطانی سے خالی پایا تو لوٹ مار شروع کر دی

---

[1] مورخین نے اس کا نام نظام شاہ اور اس کا زمانہ حکومت سنہ ۸۶۵ھ تا سنہ ۸۶۷ھ بتایا ہے، لیکن چونکہ سنہ ۸۶۵ھ سے سنہ ۸۶۷ھ تک مضروب ہوئے ہیں ان پر بادشاہ کا نام احمد شاہ ہے (سکوں [illegible] ص ۲۶۹)

[2] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۵۹ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۰۴ [3] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۸

[4] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۸۸ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۹

قتلغ خاں نے اس پر چڑھائی کی، بیدر میں لڑائی ہوئی قتلغ خان نے اسے قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیجدیا، بادشاہ نے قصور معاف کر کے غزنین کی طرف جلاوطن کر دیا[1]

دکن کی بغاوت اور سلطنت بہمنیہ کا قیام

علی شاہ کی بغاوت کے کچھ ہی عرصہ بعد امرائے دکن نے باہم اتفاق کر کے سلطان کے خلاف بغاوت برپا کر دی، گروہ کثیر نے اسمٰعیل مغ کو جو دو ہزاری امیر تھا سلطان ناصر الدین کا خطاب دے بادشاہ بنالیا، دوسرے امرا بھی ملک کے مختلف حصوں میں خودسر ہو گئے حسن بہمنی نے ظفر خاں کا خطاب اختیار کر کے ہیکری، رائے باغ، مرچ، کلہر، گلبرگہ وغیرہ مقامات پر قبضہ کر لیا اس کے بعد عمالان سلطانی سے لڑائیاں شروع ہوئیں، دو سال تک بازار کارزار گرم رہا، ۷۴۸ھ میں باغیوں کو غلبہ حاصل ہوا لشکر سلطانی ہزیمت اٹھا کر فرار ہو گیا، اس فتح کی خوشی میں باغیوں کے تمام سردار دولت آباد کے پاس جمع ہوئے اور چودہ روز تک عیش و عشرت کے جشن مناتے

سلطنت بہمنیہ کا پہلا بادشاہ

رہے، اسی اثنا میں امیر ناصر الدین اسمٰعیل نے بادشاہت کے لئے حسن بہمنی کو پیش کیا اور تمام امرا نے اتفاق کر کے ۲۴ ربیع الثانی ۷۴۸ھ کو حسن کے سر پر تاج شاہی رکھا اور دولت آباد کی جامع مسجد میں جس کو سلطان قطب الدین مبارک شاہ نے تعمیر کرایا تھا اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا[2]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۴۸۴ ابن بطوطہ جلد دوم ص ۱۸۵ تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۱۳۹
[2] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۲۷۷

حسن بہمنی نے بادشاہ ہونے کے بعد سلطان علاء الدین بہمن شاہ اپنا لقب اختیار کیا اور گلبرگہ کو حسن آباد کے نام سے موسوم کر کے اسے اپنا دار الحکومت بنایا، اس کی حکومت برار سے تلنگانہ اور کرشنا سے سمندر تک پھیلی ہوئی تھی، زمانۂ بعد میں اس کے جانشینوں کی سعی و کوشش سے مملکت میں اور بھی وسعت ہوئی علاء الدین احمد شاہ نے کوکن کو فتح کیا، شاہان گجرات و خاندیس کو شکست دی محمد شاہ کے زمانہ میں اوڑیسہ اور کانچی ورم مسخر ہوئے، بلگاؤں کے راجہ نے ہزیمت پائی، ان فتوحات سے بہمنیوں کی سلطنت ایک سمندر سے شروع ہو کر دوسرے سمندر تک وسیع ہو گئی، بیجانگر کے راجہ بہمنیوں کے مدمقابل تھے، دونوں کی عملداری کرشنا پر ملی ہوئی تھی، ان میں ہمیشہ لڑائی جھگڑے رہا کرتے تھے اور بہمنیوں کے لشکر جب بیجانگر چلے جاتے تو یہاں کے راجہ باج و خراج ادا کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

سلاطین بہمنیہ کے مشاغل علمیہ

سلطنت بہمنیہ کے اکثر بادشاہ ذی علم اور علم و فن کے قدرداں تھے، محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ سے ۷۹۹ھ) شاعر تھا اور عربی فارسی خوب بولتا تھا میر فیض اللہ انجو جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد تھے اس کے دربار میں عہدۂ صدارت پر مامور تھے اسی بادشاہ نے خواجہ حافظ کو شیراز سے دکن میں بلوایا تھا لیکن خواجہ صاحب نے بحری سفر سے خائف ہو کر آنے سے انکار کر دیا، بادشاہ

نے ازراہ قدردانی ایک ہزار تنکہ طلائی ان کے یہاں روانہ کئے۔

فیروز شاہ بہمنی (۸۰۰ھ۔ ۸۲۵ھ) بھی زبردست عالم تھا، تفسیر اصول، اور حکمت طبعی و نظری میں ید طولیٰ رکھتا تھا عروجی اور فیروزی تخلص کرتا تھا، علم ہیئت سے اسے بڑی دلچسپی تھی ۸۱۰ھ میں بمقام دولت آباد ایک رصدگاہ تعمیر کرائی تھی اور تحقیقات فلکی کے لئے محمود گاذرونی اور حسن گیلانی جیسے نامور علما، مامور کئے تھے خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ اسی کے زمانہ میں گلبرگہ تشریف لائے تھے۔

احمد شاہ بہمنی (۸۲۵ھ۔ ۸۳۸ھ) کے دربار میں بڑے بڑے علما، جمع تھے، مثلاً ملا عبد الغنی مفتی نجم الدین اور شیخ آذری وغیرہ، آذری مرزا شاہ رخ کے دربار کا ملک الشعرا تھا، حج بیت اللہ کے بعد دکن میں آیا اور ایک مدت تک احمد شاہ کے دربار میں رہا، بادشاہ کی فرمائش سے سلاطین بہمنیہ کے حالات منظوم کئے اور بہمن نامہ اس کا نام رکھا احمد شاہ کے زمانے تک حالات منضبط ہو گئے تو آذری نے وطن جانے کی اجازت حاصل کی اور بادشاہ نے ساٹھ ہزار تنکہ طلائی زاد راہ کے لئے عطا کئے، بہمن نامہ ادھورا رہ گیا تھا، ملا نظیری سامعی وغیرہ نے اسے بعد میں پورا کیا اور انقراض دولت بہمنیہ تک حالات کو بڑھا کر کتاب کو ختم کر دیا۔

محمود گاواں محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ۔ ۸۸۷ھ) کا وزیر تھا ایک بڑا ذی علم اور فیاض آدمی تھا، علوم معقول و منقول میں کافی دستگاہ

رکھتا تھا، سید العلما، سلامت اللہ اوحدی، شمس الدین سامی
عبد الکریم ہمہ انی، ملا نظیری، اس کے ندیمان دربار سے تھے مشہور
شاعر ملا عبد الرحمن جامی کو اس نے بیدر میں بلوایا تھا، لیکن انہوں
نے آنے سے معذرت کی اور ایک مطول قصیدہ اس کی مدح میں لکھ کر
بھیجدیا، جس کا ایک شعر یہ ہے۔

الصلا کز جان و دل نزل تو کردم الصلا — مرحبا اے قاصد ملک معانی مرحبا

انقراض سلطنت بہمنیہ

سلاطین بہمنیہ کم و بیش ڈیڑھ سو سال نہایت کامیابی
کے ساتھ برسر حکومت رہے، اس کے بعد انحطاط
شروع ہوا، محمود شاہ کے زمانے سے صوبہ داروں نے خودسری شروع
کردی سنہ ۹۳۲ھ میں بہمنیوں کے نام کا خاتمہ ہو گیا اور اس ایک سلطنت
کے بجائے ملک میں پانچ سلطنتیں قائم ہو گئیں، برار میں عماد شاہی
احمد نگر میں نظام شاہی، بیدر میں برید شاہی، بیجاپور میں عادل شاہی،
گولکنڈہ میں قطب شاہی۔

سلطنت بہمنیہ کے مختلف باشندے اور ان کی زبانیں

سلطنت بہمنیہ میں جو مسلمان آباد تھے مورخ فرشتہ
نے ان کے تین گروہ بیان کئے ہیں۔

(۱) دکنی۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو سلطان علاء الدین خلجی کے
زمانہ میں یا اس کے بعد عساکر اسلامی کے ساتھ ہندوستان سے آکر
دکن میں آباد ہوئے اور یہاں ان کی دو تین پشتیں گزر گئیں، یہ لوگ
دکنی اردو بولتے تھے۔

(۲) غریب ریردیسی، یعنی وہ لوگ جو ترکستان وایران سے وقتاً فوقتاً آکر دربار میں توسل پیدا کرتے تھے وہ لوگ زیادہ تر ترک افغان اور ایرانی سید تھے ان کی زبان بالعموم فارسی تھی۔

(۳) حبشی یہ لوگ حبش یعنی ابی سینا کے باشندے تھے اور یمن کے راستے سے دکن میں آئے تھے اور ان کی بہت بڑی جماعت یہاں آباد ہوگئی تھی، یہ لوگ عربی اور حبشی دونوں زبانیں بولتے تھے

ملک کے اصلی باشندے ان کے علاوہ تھے، سلطنت کے شمال مغربی علاقوں میں مرہٹے آباد تھے، جنوب مشرق میں کنڑی اور تلنگی بولنے والوں کی بستیاں تھیں دولت آباد، گلبرگہ اور بیدر جو سلطنت بہمنیہ کے مرکز حکومت تھے ملک مرہٹ میں واقع تھے اور یہاں کے باشندوں کی زبان مرہٹی تھی، یہ زبان جیسا کہ ہم نے ابتدا میں بیان کیا ہے خالص آرین زبان نہ تھی بلکہ آرین اور پراکرتین زبانوں کی آمیزش سے بنی تھی،

سلطنت بہمنیہ کی عام زبان دکنی تھی۔

غریبوں کے مقابلہ میں دکنیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اسی اعتبار سے عربی اور فارسی کے مقابلہ میں ان کی زبان کو بھی ملک میں بہت زیادہ رواج حاصل تھا، دکنیوں کی زبان اردو سے کوئی جداگانہ زبان نہ تھی، بلکہ یہ وہی زبان تھی جسے مسلمان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں اور اس کے بعد ہندوستان سے اپنے ساتھ لائے تھے لیکن امتداد زمانہ کے باعث آب وہوا کے اثرات اور دیگر زبانوں کے اختلاط اور مقامی باشندوں کے ربط وضبط نے اس میں بتدریج فرق پیدا کردیا اور یہ

فرق سو سال کے اندر اس قدر نمایاں ہوا کہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے بآسانی ممیز ہونے لگیں، اس زمانے سے یہ دونوں زبانیں دو علیحدہ علیحدہ ناموں سے نامزد ہوگئیں، ہندوستان کی زبان اردو اور دکن کی زبان دکھنی کہلانے لگی۔

عہد بہمنیہ کے دکھنی مصنف

اردو زبان ہندوستان میں صدیوں تک محض بات چیت اور لین دین تک محدود رہی برخلاف اس کے دکھنی زبان نے دکن میں بہت جلد ادبی صورت حاصل کی اور آٹھویں صدی ہجری سے اس میں تصنیف وتالیف کا آغاز ہوا، اس وقت تک دکنی زبان کی جس قدر تصنیفات معرض تحقیق میں آئی ہیں، ان میں شیخ عین الدین گنج العلم، کے رسالے قدیم ثابت ہوئے ہیں۔

شیخ عین الدین گنج العلم اور ان کی دکھنی تصنیفات

شیخ عین الدین گنج العلم. دکن میں ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں آپ ۷۰۶ھ میں نئی دہلی میں پیدا ہوئے. وطن سے نکل کر گجرات وغیرہ میں تحصیل علم کرتے ہوئے دولت آباد میں آئے، اس وقت یہ شہر سلطان محمد بن تغلق (۷۲۵ھ – ۷۵۲ھ) کا دار السلطنت تھا اور یہاں بڑے بڑے اکابر و شیوخ جمع ہو گئے تھے، مثلاً سید خوند میر علاء الدین حسینی جیوری جو دہلی کے اکابر اولیا سے تھے، شیخ شمس الدین ملتانی جنہوں نے شیخ بہاء الدین زکریا سے فیض حاصل کیا تھا، شیخ منہاج الدین تمیمی الانصاری

وغیرہ شیخ عین الدین، سید خوند میر کے مرید ہوئے، شیخ شمس الدین سے علوم دینیہ کی تکمیل کی، شیخ منہاج الدین سے فیض روحانی حاصل کیا اس کے بعد ۷۳۶ھ میں عین آباد ساگر میں تشریف لائے اور یہاں ایک دراز مقیم رہنے کے بعد ۷۷۳ھ میں بیجاپور آئے، دکن میں سلطان علاء الدین حسن بہمن شاہ (۷۴۸ھ ۷۵۹ھ) اور اس کے چار جانشینوں کا زمانہ دیکھا اور نواسی سال کی عمر میں سلطان محمد شاہ ثانی (۷۸۰ھ ۷۹۹ھ) کے عہد میں ۲۷ رجمادی الاول ۷۹۵ھ کو انتقال فرمایا، آپ نے علوم متداولہ میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں اور تذکروں میں ان کی تعداد (۱۳۲) ایک سو بتیس تحریر ہے [1]

قاضی منہاج الدین جوزجانی کی طبقات ناصری فارسی میں ایک مشہور تاریخ ہے، اس میں سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴ھ ۶۶۴ھ) تک سلاطین ہندوستان کے حالات تحریر ہیں۔

شیخ عین الدین نے اس کا تکملہ لکھا ہے اس میں اپنے زمانہ تک کے حالات قلمبند کئے ہیں، مورخ فرشتہ نے اسے دیکھا تھا، اپنی تاریخ میں اس سے مضامین اخذ کئے ہیں اور اس کا نام ملحقات طبقات ناصری لکھا ہے۔ [2]

اطوار الابرار کے نام سے آپ کی ایک اور تصنیف مشہور ہے اس

---

[1] روضۃ الاولیائے بیجاپور صـ۲۷ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم صـ۵۶۹

[2] تاریخ فرشتہ جلد اول صـ۱۷

میں آپ نے اکابر اولیا کے حالات و مقالات تحریر کئے ہیں۔
آپ نے چھوٹے چھوٹے کئی رسالے دکھنی زبان میں تصنیف کئے تھے، منجملہ ان کے تین رسالے ایک مجموعہ میں کالج قلعہ سینٹ جارج کے کتب خانہ میں موجود تھے ان کے اوراق کی مجموعی تعداد چالیس تھی اور ان میں فرائض و سنن کے متعلق مختلف احکام و مسائل تحریر تھے

حضرت خواجہ بندہ نوازؒ خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو درازؒ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے اعاظم خلفا سے تھے، آپ ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں دہلی سے گلبرگہ میں تشریف لائے اور سلطان احمد شاہ کی تخت نشینی کے ایک ماہ بعد ۱۶ ذی القعدہ ۸۲۵ھ کو انتقال فرمایا، علم تصوف میں آپ کی ۳۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں آپ نے ملتقط کے نام سے کلام اللہ کی ایک تفسیر لکھی ہے اور سلوک کے مسائل اس میں بیان کئے ہیں، علامہ زمخشری کی کتاب الکشاف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے، شیخ محمد اسحاق الکلاباذی المتوفی ۳۸۰ھ کی کتاب التعرف شیخ شہاب الدین سہروردی المتوفی ۶۳۲ھ کی کتاب العوارف شیخ عبد الکریم القشیری المتوفی ۴۶۵ھ کا رسالہ شیخ محی الدین ابن عربی المتوفی ۶۳۸ھ کی کتاب الفصوص تصوف کی اعلیٰ ترین تصنیفات ہیں، خواجہ صاحب نے ان پر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شرحیں لکھی ہیں ان کے علاوہ آپ کی تصنیفات سے کتاب الاسمار ایک نہایت مشہور کتاب ہے، اس میں تصوف کے

اسرار و حقائق تحریر ہیں[1]

خواجہ صاحب نماز ظہر کے بعد طلبہ اور مریدوں کو علم تصوف اور حدیث اور سلوک کا درس دیا کرتے تھے گا ہے درس میں کلام اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں[1] جو لوگ عربی اور فارسی سے ناواقف تھے ان کے سمجھانے کے لئے آپ دکنی میں تقریر فرماتے تھے اور ایسے مریدوں کی فرمائش پر آپ نے چھوٹے

حضرت خواجہ بندہ نواز کی دکنی تصنیفات

چھوٹے متعدد رسالے دکنی میں تصنیف فرمائے تھے، منجملہ ان معراج العاشقین اور ہدایت نامہ زیادہ مشہور ہیں اور عشق نامہ میں ان کا کئی جگہ تذکرہ آیا ہے

رسالہ ہفت اسرار

خواجہ صاحب نے دکنی زبان میں سات مقولے ارشاد فرمائے تھے، آپ کے ایک مرید نے ان کی ایک مبسوط شرح لکھی اور اس کا نام ہفت اسرار رکھا۔

نشاط العشق کا دکھنی ترجمہ

سید محمد عبد اللہ حسینی حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے نبیرہ تھے اور سلطان احمد شاہ ثانی کے زمانہ میں گزرے ہیں آپ غوث اعظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے رسالہ نشاط العشق کا دکھنی میں ترجمہ کیا تھا اور اس کی شرح لکھی تھی۔ اس کا ایک نفیس نسخہ ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا۔[2]

---

[1] روضۃ الاولیا صد ۲۳

[2] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان صد ۱۸۴

ملا نظیری | بہمنیوں کے عہد میں اردو شاعری کا کیا حال تھا، اس کا پتہ چلانا دشوار ہے، صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دارالحکومت جس وقت حسن آباد گلبرگہ سے احمد آباد بیدر میں منتقل ہوا تو ان کے دربار میں اردو شعر و سخن کو رواج ہو گیا تھا۔ بیدر کے پانچویں بادشاہ سلطان محمد شاہ ثالث (۸۶۷ھ تا ۸۸۷ھ) کے عہد میں محمد تقی نام فارسی کا ایک زبردست شاعر گزرا ہے اس کا تخلص نظیری تھا، اور اس نے ملا آذری اسفرائینی کے بہمن نامہ کا تکملہ لکھا ہے[1] اور ہمایوں شاہ بہمنی کے مارے جانے پر جو تاریخ کہی ہے وہ بھی نہایت مشہور ہے[2] اور اسے تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔

ہمایوں شاہ مرد و دور خوش گشت　　تعالی اللہ زہی مرگ ہمایوں
جہاں پر ذوق شد تاریخ مرگش　　ہم از "ذوق جہاں" آرید بیروں

نظیری اردو میں بھی کہا کرتا تھا، ملا محمود بن ابراہیم بیدری نے معدن الذہب کے نام سے ایک کتاب سلطان محمود شاہ بہمنی (۸۸۷ھ تا ۹۲۴ھ) کے عہد میں لکھی ہے جس میں علماء و فضلاء، اور شعراء، وادبا کے لطائف و ظرائف مذکور ہیں، اس میں ایک لطیفہ کو بیان کرتے ہوئے مصنف نے نظیری کا حسب ذیل ہندی شعر بھی نقل کیا ہے

دیں شیخ و برہمن نے کیتا یار فراموش
ہن تسبی فراموش ہن زنار فراموش

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص ۳۲۶ خزانہ عامرہ ص ۲۲
[2] ہفت اقلیم ص ۶۵۔

سلطنت گجرات

سنہ ۷۹۹ھ — سنہ ۹۸۰ھ

۱. مظفر شاہ اول	سنہ ۷۹۹ھ	سنہ ۸۱۴
۲. احمد شاہ اول	سنہ ۸۱۴	سنہ ۸۴۶
۳. محمد شاہ اول	سنہ ۸۴۶	سنہ ۸۵۵
۴. قطب الدین احمد شاہ	سنہ ۸۵۵	سنہ ۸۶۳
۵. داود شاہ	سنہ ۸۶۳	
۶. محمود شاہ اول	سنہ ۸۶۳	سنہ ۹۱۷
۷. مظفر شاہ ثانی	سنہ ۹۱۷	سنہ ۹۳۲
۸. سکندر شاہ	سنہ ۹۳۲	
۹. محمود شاہ ثانی	۹۳۲	
۱۰. بہادر شاہ	سنہ ۹۳۲	سنہ ۹۴۳
۱۱. میران محمد شاہ (والی خاندیس)	سنہ ۹۴۳	سنہ ۹۴۴
۱۲. محمود شاہ ثالث	سنہ ۹۴۴	سنہ ۹۶۱
۱۳. احمد شاہ ثانی	۹۶۱	۹۶۹
۱۴. مظفر شاہ ثالث	۹۶۹	سنہ ۹۸۰

سلاطین گجرات گجرات ہندوستان اور دکن کے مابین جانب مغرب ساحل

سمندر پر واقع ہے اس کو پہلے پہل سلطان علاء الدین خلجی کے سپہ سالار الغ خاں نے ۶۹۶ھ میں فتح کیا، اس کے بعد تقریباً سو سال تک یہ ملک سلاطین دہلی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختار ہونے کے بعد اپنی جدید سلطنت قائم کرلی۔

سلاطین گجرات کی حکومت ابتدا میں صرف گجرات تک محدود تھی لیکن بعد میں بعض الوالعزم فرمانرواؤں کی کوشش سے اس میں بہت کچھ وسعت ہوگئی، مغرب میں کاٹھیاواڑ کا ملک شمال اور جنوب میں مارواڑ اور دکن کے بعض علاقے ان کے تصرف میں آگئے اور دور استقلال کی ممتاز حکومتوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

یہ حکومت تقریباً ایک سو بیاسی سال قائم رہی، یہاں تک کہ ۹۸۰ھ میں اکبر نے احمد آباد فتح کرلیا اور گجرات سلاطین مغلیہ کے قبضہ میں آکر سلطنت دہلی میں ملحق ہوگیا۔

اہل گجرات کے مشاغل علمی

گجرات چونکہ سمندر سے ملا ہوا تھا اس لئے ایران و عرب و مصر کے باشندے اس ملک میں ہمیشہ آیا جایا کرتے تھے ان تعلقات نے گجرات کو ارباب فضل و کمال کا مرکز و مرجع بنادیا تھا اور علماء و محدثین کی جماعت کثیر بلاد اسلام سے آکر یہاں آباد ہوگئی تھی، ان نوواردوں میں محدث وجیہ الدین مالکی شیخ شمس الدین سخاوی کے شاگرد تھے، انہیں شاہان گجرات نے ملک المحدثین کا خطاب دیا تھا، شیخ شہاب الدین مصری بھی جو شیخ الاسلام زین الدین زکریا کے شاگرد ہیں، احمد آباد میں

آکر مقیم ہو گئے تھے، انہوں نے سلاطین گجرات کے نام پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں[1]، امام بدر الدین دمامینی ۸۰۰ھ میں مصر سے گجرات آئے اور سلطان احمد شاہ کی فرمائش سے صحیح بخاری اور مغنی اللبیب کی تعلیقات لکھیں[2]

علمائے گجرات میں شیخ علاء الدین علی المہائمی خاص شہرت رکھتے ہیں ۸۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے تبصیر الرحمن کے نام سے آپ نے ایک ضخیم تفسیر تصنیف کی ہے، اس کے علاوہ شیخ الاکبر ابن عربی کی فصوص اور شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف پر شروح بھی لکھی ہیں[3]

شیخ رکن الدین ناگوری نہر والہ کے مفتی تھے انہوں نے قاضی القضاۃ شیخ جمال الدین اکرم کی فرمائش سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی جو فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہے

قاضی جگن گجرات کے مشاہیر فقہا سے ہیں انہوں نے فقہ احناف کے متعلق جمیع احادیث کو جمع کیا ہے، اور اس کا نام خزانۃ الروایات رکھو ۹۲۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔

شیخ محمد طاہر پٹن کے باشندے تھے انہوں مجمع بحار الانوار کے نام سے حدیث کا ایک مبسوط لغت لکھا ہے علاوہ اس کے اسماء الرجال اور احادیث موضوعہ کی نسبت بھی دو بے مثل کتابیں تصنیف کی ہیں[4]

---

[1] نور السافر ۱۲، [2] نور السافر ۲، [3] بستان المحدثین [4] سبحۃ المرجان ماثر الکرام ص ۱۸۹ ۔ [5] ماثر الکرام ص ۹۹ ۔ سبحۃ المرجان

مفتی قطب الدین نہروالہ کے باشندے تھے، حجاز میں جاکر سکونت
پذیر ہوگئے اور وہاں الاعلام کے نام سے بیت اللہ کی ایک تاریخ لکھی
جو یورپ میں چھپی ہے۔

گجرات میں زبان اردو

اردو زبان دکن میں آنے کے بعد دکنی کے نام سے
موسوم ہوئی اور جب گجرات میں پہنچی تو اس کا نام گوجری یا گجراتی مشہور ہوا
چنانچہ ملفوظات سید علی گام دھنی کے دیباچہ میں جامع نے لکھا
ہے۔

در بیان توحید و اسرار بالفاظ گوجری بطریق نظم فرمودہ بود

شیخ خوب محمد چشتی نے امواج خوبی کے دیباچہ میں لکھا ہے

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز است ہمچناں گفتم

اہل بیجاپور اس زبان کو ابتدا میں گجراتی کہا کرتے تھے
چنانچہ شاہ برہان الدین جانم جو بیجاپور کے ایک قدیم مصنف
ہیں اپنے رسالہ حجت البقا میں فرماتے ہیں۔

جے ہوویں گیان بچاری — نا دیکھیں بھاکا گجری

اہل گجرات نے نویں صدی کے اواسط ایام سے اس زبان
میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کردیا تھا اور ان کی تصنیفات
سے جو چیزیں اس وقت میسر آتی ہیں ان میں سب سے قدیم شیخ
بہاء الدین باجن کا کلام ہے

شعرائے گجرات

شیخ بہاء الدین باجن

مشاہیر اولیا سے ہیں ۷۹۰ھ میں پیدا ہوئے مشہور محدث شیخ علی المتقی کے مرشد اور شیخ عزیز اللہ متوکل کے مرید تھے عرب وایران کی سیاحت سے واپس آکر اپنے پیر کے فرزند شیخ رحمۃ اللہ متوکل کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات کے بعد ۸۹۹ھ کے قریب خاندیس میں آکر برہان پور میں مقیم ہوگئے اور اسی جگہ ایک سو بائیس سال کی عمر میں ۱۴ ذیقعدہ ۹۱۲ھ کو انتقال کیا شاہ بازار میں آپ کا مقبرہ اب تک موجود اور زیارت گاہ خاص وعام ہے

فارسی، اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے باجن تخلص تھا، آپ نے ایک کتاب خزانۂ رحمت کے نام سے لکھی ہے اس میں اپنے مرشد کے ملفوظات وارشادات جمع کئے ہیں اور جگہ جگہ اپنے ہندی کلام کو اس میں نقل کیا۔ منجملہ ان کے ایک دوہرہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بول باجن باجے رے اسرار چھاجے
سنڈل من میں دھمکے رباب رنگ میں جھمکے

صوفی ان پر ٹھمکے
یوں باجن باجے رے اسرار چھاجے

اخبار الاخیار ص۲۶۷ تاریخ برہان پور ص۱۰۱ ماثر الکرام ص۱۹۲ شیخ عزیز اللہ متوکل گجرات کے مشاہیر اولیاء سے ہیں شادی آباد منڈو ان کا وطن ہے. سلطان احمد شاہ کے زمانہ میں گجرات آئے اور سی کے عہد میں انتقال فرمایا۔ احمد آباد کے باہر میدان پورہ میں مدفون ہوئے. آپ کے فرزند شیخ رحمۃ اللہ سلطان محمد بیگڑہ کے مرشد تھے. ۲۶ رجمادی الثانی ۹۷۵ھ کو فوت ہوئے احمد آباد کے قریب شیخپور میں آپ کا مقبرہ و مسجد موجود ہے
مراۃ احمدی ص۱۱ ص۵۴

سید شاہ علی الحسینی گانوں دھنی

گجرات کے سادات رفاعیہ سے ہیں، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سید احمد کبیر رفاعی (۵۷۸ھ) تک پہنچتا ہے، گانوں دھنی آپ کا انتقال ہوا، احمد آباد میں اندرون حصار دروازہ رائے گیر کے قریب سلطان شاہ غزنی کی گنبد کے پاس آپ کا مزار واقع ہے.
صاحب مخبر الواصلین نے آپ کی تاریخ وفات حسب ذیل منظوم کی ہے

سید بے نظیر شاہ علی — مظہر ذات پاک لم یزلی
صاحب فیض بود آں فیاض — مصدر کشف بود آں مرتاض
نسخہ فارسی و ہم عربی — کرد تالیف از خدا طلبی

باز در اصطلاح گجراتی ‏ ‏ گفت سر صفاتی و ذاتی
جانب خلد و جنت اعلیٰ ‏ ‏ شد بماہ جمادی الاخریٰ
سال نقش ازیں سراچہ زشت ‏ ‏ خرد م گفت "نور اوج بہشت
مرقد او با حمد آباد ست ‏ ‏ جائے فیض و مقام ارشادات ۹۷۳

آپ کا ہندی کلام گجرات میں نہایت مقبول ہے اہل گجرات اسے دیوان مغربی کے ہم پایہ سمجھتے ہیں مصنف مراۃ احمدی نے لکھا ہے۔

"دیوانے دارد بزبان ہندی درویش و معنی برابر دیوان شیخ مغربی ست"

آپ کے پوتے سید شاہ ابراہیم بن سید شاہ مصطفےٰ ابن سید شاہ علی حسینی نے اسے بصورت دیوان مرتب کیا اور اس کا نام "جواہر اسرار اللہ" رکھا اس میں قطعات و فردیات ہیں جنہیں جامع نے نکات و مکاشفات کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۲۴۸ھ میں بمبئی میں طبع ہوا ہے۔ اس کے پہلے اور دوسرے نکتے بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں ‏ ‏ آپیں آپیں لے نکل لاؤں

میرا ناؤں مجھے ات بھائے ‏ ‏ میرا جیو مجھے پرچائے
میں آئینہ مجھ سوں مائے ‏ ‏ ڈہری اپنیں روپ لبھائے

ایمن (۱)

گجرات کا درباری شاعر ہے، سکندر منجھو نے اس کا نام ملک

لہ مراۃ احمدیہ جلد دوم ص ۱۱۸ مفتاح التواریخ ص ۱۷۲

امین کمال لکھا ہے سلطان بہادر (۹۳۲ھ - ۹۴۳ھ) اور محمود شاہ ثانی (۹۴۳ھ - ۹۶۱ھ) کے ندیمان خاص سے تھا، لطائف اور بدیہہ گوئی کے حکایات مرأۃ سکندری میں مذکور ہیں۔ گجرات کے مشہور بزرگ شاہ عالم سراج الدین سید محمد حسینی (۸۸۰ھ) سے اس کو خاص ارادت تھی۔ اس نے بہرام گور اور حسن بانو کے حسن و عشق کا فسانہ نظم کرنا شروع کیا تھا، جو نصف سے زیادہ انجام پا کر ناتمام رہ گیا تھا، لیکن بعد میں ایک دوسرے شاعر نے جس کا تخلص دولت ہے اسے تمام کیا۔ اختتام کی تاریخ یوم جمعہ یکم شعبان ۱۰۵۰ھ ہے۔

ابتدائی حصہ میں کئی جگہ امین نے اپنا تخلص بیان کیا ہے

امین حمد حق کر تو بے انتہا　　　به نعت محمد قلم کو چلا

امیں آستانوں کی اب خاک ہو　　　حشر کے عذابوں سے بیباک ہو

حمد و نعت کے بعد امین نے اپنے مرشد شاہ عالم کا اس طرح ذکر

امیں شاہ عالم ہمارے جو پیر　　　وہی روز محشر اندر دستگیر

دولت نے اس کے تمام کرنے کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے۔

امیں نے رکھا تھا اسے ناتمام　　　بزاں اس کو دولت کیا اختتام

سنہ یک ہزار اور پنجاہ میں　　　جمعہ روز شعبان اول ماہ میں

ابتدا اس کی حسب ذیل شعر سے ہوتی ہے۔

الٰہی جہاں کا کرن ہار توں　　　غریبوں یتیموں کا ادھار توں

مرأۃ سکندری ص ۲۶۹ ص ۱۳۴ بلوم ہارٹ مخطوطات برٹش میوزیم نمبر ۳۴ قصہ بہرام گور اور حسن بانو ۱۳۰۱ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے۔

شیخ خوب محمد چشتی

گجرات کے مشہور بزرگ ہیں، شیخ کمال الدین محمد سیستانی کے مرید تھے ۲۴ شوال سنہ ۱۰۲۳ھ کو آپ نے انتقال فرمایا، چوک احمد آباد میں فرحت الملک کی مسجد کے قریب آپ کا مزار زیارتگاہ خاص و عام ہے کسی نے ذیل کے فقرے سے تاریخ وفات نکالی ہے "خوب تھے"

آپ کی تصنیفات سے تصوف میں تین کتابیں مشہور و متداول ہیں شرح جام جہاں نما، امواج خوبی، خوب ترنگ، پہلی دو کتابیں فارسی میں اور تیسری کتاب ہندی زبان میں لکھی گئی ہے۔

خوب ترنگ صوفیانہ مثنوی ہے، مصنف نے اپنے مرشد شیخ کمال الدین محمد سے جو ارشادات سنے تھے، انہیں اس کتاب میں منظوم کیا ہے، دو شنبہ کے روز دوم شعبان سنہ ۹۸۶ھ کو اس مثنوی کی ابتداء ہوئی ہے، چنانچہ یہ سب واقعات مصنف نے دیباچہ میں بیان کئے ہیں۔

وارث محمد سر پر ٹھاؤں　　شیخ کمال محمد ناؤں

ان تحقیق میں سکیاؤں رات　　اس موں یاد رہے کچھ بات

دجیو منجکو آئی ترنگ　　جمع کئے تس تس ڈھنگ

خوب ترنگ اس دیا خطاب　　مدح رسول اللہ باب

نسخہ کی تاریخ اس تھانہ　　پائے عدد ہر مصرعے مانہ

خوب محمد کئے بچار	چودہ گھاٹ اس برس ہزار
دو جا چاند تھا شعبان	دن دوشنبہ کیا بیان

مصنف ہی نے نثر فارسی میں اس کی شرح لکھی اور امواج خوبی اس کا نام رکھا ہے ، یہ شرح جیسا کہ دیباچہ کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے ۹۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے .

شمار سال شرح نعت احمد	دہم سال از دہم عشر از دہم صد

دیباچہ کے بعد عنوان ذیل کے ساتھ شرح کا آغاز ہوا ہے .

آغاز خوب ترنگ با ترجمہ شرح نماکہ مسمی است با مواج خوبی از بعضے منقولات حضرت شیخ کمال محمد رحمہم اللہ در معارف محمدیہ علیہ السلام

مصنف نے دیباچہ میں مثنوی اور شرح دونوں کے ناموں کی اس طرح صراحت کی ہے اور مثنوی کی زبان عربی اور فارسی آمیز گجراتی بیان کیا ہے .

ایں مثنوی گجراتی را خطاب خوب ترنگ دادم . و شرح آں مثنوی کہ فارسی است امواج خوبی نام نہادم

من بزبان گجراتی کہ بالفاظ عربی و عجمی آمیز ست ہمچناں گفتم

محمد عاصم نام ایک بزرگ برہان پور میں گذرے ہیں ، یہ صاحب شیخ نور اللہ رمز الٰہی خلیفہ شیخ برہان الدین راز الٰہی کے مرید تھے ، نظم فارسی میں خوب ترنگ کا شعر بہ شعر ترجمہ کیا نغمات حیات اس کا نام رکھا ہے ، یہ ترجمہ ۱۱۰۶ھ میں تمام ہوا

نام او از غیب آمد خوب ترنگ — شرح او امواج خوبی بیدرنگ
بود آں امواج خوبی چوں بہ نثر — عاصم آوردہ بنظم از راہ فکر
بود عاصم بے خبر از نظر بہ نثر — لیک آبستن شد اور ابکر فکر
در ہزار یک صد دہم شصت و پنج — گشت ظاہر ایں لالی گنج گنج

اس ترجمہ میں اصل ہندی مثنوی کی تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

ہست تاریخ شروع مثنوی — کہ بود اندر عبارت ہندوی
چاردہ کم بود در ہزار سال — ابتدا شد نسخہ از روئے شمار
دوم شعبان بود دوشنبہ روز — شد شروع ایں نسخہ بس دلفروز

شیخ محمد مخدوم نام ایک بزرگ ارکاٹ کے رہنے والے تھے ۱۱۵۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے اور میلاپور میں مدفون ہوئے ہیں، آپ نے خوب ترنگ کے بعض مشکل ابیات کی شرح لکھی ہے اور اس کا نام مفتاح التوحید رکھا ہے، اس کا ایک نفیس نسخہ حال میں ہم نے دیکھا ہے اس کے دیباچہ میں مصنف نے اس کے نام اور کتاب کے موضوع کی صراحت اس طرح کی ہے۔

"مفتاح التوحید در حل مشکلات و شرح مفصلات مثنوی شیخ گجراتی"۔

ایتھے نمبر ۲۰۹ اسپرنگر ص ۶۱۹ مراۃ احمدی جلد دوم ص ۶۸ گلزار ابرار ص ۱۱۵ اردو جلد نہم ص ۱۲۳

شیخ کمال الدین محمد شیخ وجیہ الدین کے شاگرد و خلیفہ تھے اور

گجرات میں رہا کرتے تھے، سلطان مظفر شاہ سے کسی بات پر ناراض
ہو کر گجرات سے مالوہ چلے گئے، دوشنبہ کے روز دہم شعبان ۱۰۰۹ھ
کو آپ نے بمقام اوجین انتقال کیا۔
اسپرنگر نے امواج خوبی کی تاریخ تصنیف ۹۹۰ھ بیان کی ہے
جو غلط ہے، امواج خوبی اور نغمات حیات کے خوشخط نسخے کتب خانہ
آصفیہ میں موجود ہیں۔ فن تصوف ۱۵۲۷!

امین (۲)

محمد امین نام ہے گجرات کے باشندے ہیں، اورنگ زیب عالمگیر
کے زمانہ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انہوں نے یوسف زلیخا کی داستان
گوجری زبان میں منظوم کی ہے، یہ مثنوی ۱۱۰۹ھ میں تمام ہوئی ہے
ضخیم کتاب ہے، ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کا جو نسخہ شاہان اودھ کے کتب
خانہ میں دیکھا تھا اس کے تین سو ورق تھے، اس کی ابتدا حسب ذیل
بیت سے ہوئی ہے۔

اول تعریف سن خالق کی ا ے یار — کہ دونوں جہاں کا ہے کرنہار

خاتمہ میں سنہ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے

اگیارہ سو اوپر جب نو گذرے — برس ہجرت محمد مصطفےٰ کے

امین نے اس کے علاوہ ایک نعتیہ قصیدہ بھی لکھا ہے جو ۲۲ جمادی
الثانی ۱۰۹۹ھ کو تمام ہوا ہے۔

اول قصیدہ فارسی تھا	سو ہر یک جا گا منے
پچھوں لکھیا در گوجری	آیا اپن کے دل بھیتر
جب ایک ہزار او پر ہوئے	ہجری کے نو د نو برس
تب اے حمادی الثانی ہیں	لکھیا قصیدہ از شکر
تاریخ بائیسویں آ تھی	روز جمعہ پیدا ہوا
بارے خدا کے فضل سوں	پورا کیا وقتِ سحر

اسیر نگر ص ۱۰۶ . مثنوی یوسف زلیخا سنہ ۱۲۷۲ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے . قصیدہ کا قلمی نسخہ ہمارے یہاں موجود ہے .

سلطنت قطب شاہیہ

سنہ ۹۱۶ھ — سنہ ۱۰۹۸ھ

۱ . سلطان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۵۰ھ
۲ . جمشید قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۰ھ	سنہ ۹۵۷ھ
۳ . سبحان قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	
۴ . ابراہیم قلی قطب شاہ	سنہ ۹۵۷ھ	سنہ ۹۸۸ھ
۵ . محمد قلی قطب شاہ	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۲۰ھ
۶ . محمد قطب شاہ	سنہ ۱۰۲۰ھ	سنہ ۱۰۳۵ھ
۷ . عبداللہ قطب شاہ	سنہ ۱۰۳۵ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ

۸۔ ابوالحسن تاناشاہ سنہ ۱۰۸۳ھ تا سنہ ۱۰۹۸ھ

سلطان قلی قطب شاہ بانی سلطنت قطب شاہیہ کے آباؤ اجداد اور ان کی سلطنت ایران کا مختصر تذکرہ

آل چنگیز نے ایران میں جو عظیم الشان سلطنت قائم کی تھی اسے سلطان ابوسعید (۷۱۶ھ تا سنہ ۷۳۶ھ) زمانے سے انحطاط شروع ہوا اور سلطنت کے بڑے بڑے امراء و صوبہ داروں نے خود سر ہو کر بہت سی چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کر لیں فارس و کرمان پر آل مظفر (۷۱۵ھ تا سنہ ۷۹۵ھ) نے قبضہ کر لیا عراق میں حسین جلائر نے خاندان ایلکانیہ (۷۳۶ھ تا سنہ ۸۱۴ھ) کا سنگ بنیاد رکھا اور بغداد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا خراسان کے باغی جنہوں نے اپنا لقب بر سر حکومت ہو کر سربدار رکھا تھا، سبزدار پر قابض ہو کر ایک خود مختار سلطنت کے بانی ہوئے یہ سب سلطنتیں امیر تیمور (۷۷۱ھ تا سنہ ۸۰۷ھ) زمانہ تک قائم تھیں

دریائے وان کے نیچے آرمینیہ میں ترکمانوں کی ایک صحرا نشین قوم آباد تھی، اس کے دو طائفے تھے اور ان کے پرچموں پر سیاہ و سپید مینڈھوں کی تصویریں ہوا کرتی تھیں اس لئے ان کا نام قراقویون لی اور آق قویونلی مشہور ہو گیا تھا۔ پہلا طائفہ قراقویون لی زیادہ طاقتور اور با اقتدار تھا، اس کے سردار قرا محمد نے سلطان حسین جلائر سے رابطۂ اتحاد قائم کر کے آرمینیہ اور آذربائیجان میں ایک حکومت قائم کرلی جس پر اس کی اولاد سنہ ۸۷۴ھ تک حکمراں رہی امیر تیمور نے یورش کر کے قرا یوسف (۷۹۰ھ تا سنہ ۸۲۳ھ) کے زمانے میں تمام ملک فتح کر لیا اور قرا یوسف فرار ہو کر مصر میں پناہ گیر ہوا

اور ۸۰۷ھ میں جب امیر تیمور کا انتقال ہو گیا تو قرا یوسف نے مصر سے واپس اپنی سابقہ حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد قزوین، ہمدان اور اصفہان فتح کرنے ۸۱۳ھ میں سلطان احمد جلائر کو مار کر بغداد پر قابض ہو گیا۔

قرا یوسف نے ۸۲۳ھ میں انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا لڑکا مرزا اسکندر برسر حکومت ہوا اس نے کم و بیش اٹھارہ سال حکومت کی ۸۴۱ھ میں اس کے بیٹے مرزا قباد نے اسے مار ڈالا۔ مرزا اسکندر کے پانچ لڑکے تھے مرزا الوند، یار علی، قاسم بیگ، حسن بیگ، مرزا قباد باپ کی حکومت کسی بیٹے کو نہیں ملی، بلکہ ان کا چچا جہاں شاہ اپنے بھائی کی جگہ برسر حکومت ہوا، جہاں شاہ کو شاہ رخ بن تیمور نے تخت نشین کیا تھا، شاہ رخ جب تک زندہ رہا، جہاں شاہ اس کا مطیع و فرمانبردار رہا، ۸۵۰ھ میں جب اس کا انتقال ہو گیا تو جہاں شاہ نے آزادی حاصل کر لی اور شاہ رخ کی اولاد سے ملک کے لئے لڑائیاں شروع کیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر مرزا الوند نے سیستان اور کرمان پر قبضہ کر لیا ۸۶۱ھ میں جب مرزا بابر نے انتقال کیا تو جہاں شاہ نے ہرات پر قبضہ کر لیا اور اس فتح کے بعد آذربائیجان سے خراسان تک تمام ملک جہاں شاہ کے قبضہ میں آ گیا، اسی زمانہ میں جہاں شاہ نے اپنے لڑکے مرزا یوسف کی دختر خدیجہ بیگم کو مرزا الوند کے بیٹے پیر قلی کے عقد میں دیا اور کرمان و سیستان کے عوض ہمدان کا علاقہ مرزا الوند کو دیکر اسے اپنا مطیع بنا لیا۔

نویں صدی کے شروع سے آق قویونلی نے عروج حاصل کرنا شروع
کیا اور دیار بکر میں اپنی ایک چھوٹی سی حکومت قائم کرلی اس قوم کے ایک سردار
حسن بیگ نے ۸۷۱ھ میں عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس کی
حکومت کو روز افزوں وسعت ہونے لگی جہاں شاہ نے اس کے استیصال
کا ارادہ کیا لیکن حسن بیگ نے ۸۷۲ھ جہاں شاہ کو مار ڈالا اور قراقویون
لیون کی حکومت پر قبضہ کرلیا۔

ہمدان میں الوند مرزا کے بعد پیر قلی اور پیر قلی کے بعد اس کا لڑکا اویس
قلی برسر حکومت ہوا حسن بیگ نے اگرچہ کہ قراقویونلی شہزادوں کا استیصال
کیا لیکن پیر قلی اور اس کی اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا، یہ لوگ بلا خرخشہ
ہمدان میں حکومت کرتے رہے حسن بیگ کے بعد ۸۸۴ھ میں سلطان
یعقوب بیگ برسر حکومت ہوا تو قراقویونلی شہزادوں کی تفتیش شروع
کی اور انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کیا اویس قلی نے جب یہ حال دیکھا
تو اپنے لڑکے سلطان قلی کو اپنے بھائی اللہ قلی کے ہمراہ ہندوستان بھیجدیا

سلطان قلی بانی سلطنت قطب شاہیہ کا ہمدان سے دکن میں آنا

اللہ قلی اپنے بھتیجے سلطان قلی کو لے کر بحر فارس
سے ہوتا ہوا دابل کے راستے دکن میں آیا اور
سلطان محمود شاہ بہمنی کے عہد میں بیدر پہنچا، محمود شاہ بہمنی اللہ قلی کے
ساتھ عزت و احترام سے پیش آیا اور وہ کچھ عرصہ تک بیدر میں رہنے کے
بعد ایران کو واپس چلا گیا لیکن محمود شاہ بہمنی نے سلطان قلی کو واپس
جانے نہ دیا، اور اسے شاہی چیلوں میں شامل کرکے اپنے یہاں رکھ لیا

سلطان قلی لکھا پڑھا اور نہایت ہوشیار آدمی تھا، بادشاہ کو جب اس
کی لیاقت کا حال معلوم ہوا تو قطب الملک کا خطاب دے کر تلنگانہ کا
صوبہ دار بنا دیا، سلطان قلی سولہ سال تک صوبہ دار کی حیثیت سے
تلنگانہ میں حکومت کرتا رہا ۹۱۶ھ میں جب محمود شاہ کا انتقال ہو گیا
اور سلطنت بہمنیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر دوسرے صوبہ داروں
نے خود سری اختیار کر لی تو سلطان قلی نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان

سلطنت قطب شاہیہ کا قیام

کر دیا اور قطب شاہ کا لقب اختیار کر کے گولکنڈہ
کو اپنا مستقر حکومت بنایا، سلطان قلی کے بعد یکے
دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کم و بیش
دو سال تک حکومت قائم رہی، ۱۰۹۸ھ میں اورنگ زیب عالمگیر نے
گولکنڈہ کو فتح کر لیا تو قطب شاہی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

سلاطین قطب شاہیہ کا علمی مذاق

سلطان قلی قطب شاہ کے لڑکے جمشید قلی قطب شاہ
(۹۵۰ھ تا ۹۵۷ھ) کو شعر و سخن سے غایت دلچسپی
تھی، ملا محمد شریف وقوعی اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا جمشید کا جانشین
ابراہیم قطب شاہ نہایت زبردست عالم تھا، اس کے دربار میں
بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے خور شاہ بن قباد الحسینی جو عراق کا باشندہ
تھا اس کے ندیمان خاص سے تھا، اس نے اپنے آقا کی فرمائش سے دنیا
کی ایک ضخیم تاریخ لکھی ہے جس میں ابتدائے تخلیق عالم و آدم سے ۹۷۰ھ تک
کے حالات تحریر ہیں، یہ تاریخ آٹھ مقالات پر منقسم ہے پہلے مقالے میں

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۶۷

قدیم سلاطین ایران و روم و یمن کے حالات ہیں، دوسرے مقالے ہیں
جناب رسالت مآب اور آپ کے خلفا اور خلفا بنو امیہ و بنو عباس کا تذکرہ
ہے، تیسرے مقالے میں ان سلاطین ایران کے حالات ہیں جو خلفاء عباسیہ
کے معاصر تھے، چوتھے مقالے میں مغولان ایران کی تاریخ ہے، پانچویں
مقالے میں امیر تیمور اور اس کی اولاد کا تذکرہ ہے، چھٹے مقالے میں
طوائف قراقویون کی و آق قویونلی اور شاہان صفویہ اور سلاطین روم
کے حالات ہیں، ساتواں مقالہ سلاطین ہندوستان کے متعلق ہے
آٹھویں مقالے میں قطب شاہیوں کا تذکرہ ہے، مورخ فرشتہ نے اس
تاریخ کا تذکرہ کیا ہے[1]، برٹش میوزیم میں اس کا بہترین نسخہ موجود ہے[2]
موسیو شیفر نے اپنی کتاب منتخبات فارسی میں اس کا انتخاب شامل کیا ہے
اور اس کے ساتھ مصنف کے حالات اور کتاب کی مفصل کیفیت لکھی ہے[3]

محمد قلی قطب شاہ اپنے باپ کی طرح ذی علم اور ارباب کمال کا
قدر دان تھا اس کے زمانہ میں گولکنڈہ اہل علم کا مرجع ہو گیا تھا میر محمد
مومن استرآبادی جو ایران کے ایک زبردست عالم اور علامہ فخر الدین
سماکی کے بھتیجے اور شاہ طہماسپ صفوی کے اہل دربار سے تھے اسی
زمانہ میں دکن میں آکر گولکنڈہ میں سکونت پذیر ہوئے تھے اور سلطان
محمد قلی نے انہیں وکیل السلطنت مقرر کر دیا تھا، کتاب[4] الرجعت اور

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۶۷ [2] ریو جلد اول صفحہ ۱۰۱ [3] کرسٹمانی دی پرسان
جلد دوم ۸۴ [4] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۷۳ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۵۶

اور کتاب المقادیر ان کی مشہور تصنیفات ہیں شاعر بھی تھے ان کا دیوان انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔[1]

مرزا محمد امین، شہرستان کے سادات سے تھا اس کے دربار میں میر جملہ کی خدمت میں مامور تھا، یہ بھی ایک ذی علم آدمی اور فارسی کا زبردست شاعر تھا اور روح الامین تخلص کرتا تھا، بادشاہ کی فرمائش سے اس نے خمسہ نظامی کے جواب میں چار مثنویاں لکھی ہیں شیریں خسرو، لیلیٰ مجنوں، فلک البروج، مطمح الانظار، یہ مثنویاں انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہیں علاوہ ان کے اپنی غزلیات اور قصائد کا دیوان بھی ترتیب دیا ہے اور گلستان ناز اس کا نام رکھا ہے، یہ دیوان برٹش میوزیم میں موجود ہے[2]

محمد قطب شاہ بھی ایک ذی علم بادشاہ گزرا ہے اس کو سیر اور تواریخ کی کتابوں کا بیحد شوق تھا اور جس کتاب کا مطالعہ کرتا اس کے مصنف اور کتاب کے مضامین کا انتخاب اخیر میں لکھ دیا کرتا تھا، شاعر بھی تھا غزل کے سوا قصائد اور مناقب خوب لکھا کرتا تھا، اس نے سلطنت قطب شاہیہ کی ایک ضخیم تاریخ عالم آرائے عباسی کے طرز پر لکھوائی ہے، یہ کتاب نہایت فصیح و بلیغ اور مرصع و مسجع عبارت میں لکھی گئی ہے، اس کے مضامین ایک مقدمہ چار باب اور ایک خاتمے پر منقسم ہیں مقدمے میں سلاطین قطب شاہیہ

---

[1] ایتھے نمبر (۲۸۹۲) [2] ریو صفحہ (۶۷۶) ایتھے نمبر (۲۸۹۷)

کے آباؤ اجداد کا تذکرہ ہے، چار باب میں چار بادشاہ سلطان قلی، جمشید قلی، ابراہیم قلی اور محمد قلی کے حالات ہیں خاتمہ میں سلطان محمد کا تذکرہ ہے۔[1]

عبداللہ قطب شاہ بھی اپنے باپ دادا کی طرح نہایت علم دوست اور ارباب کمال کا قدر دان بادشاہ ہوا ہے شمس الدین محمد جو علامہ ابن خاتون کے نام سے مشہور ہیں اس کے دربار میں سفارت و پیشوائی کی خدمت پر مامور تھے، یہ بزرگ شیخ بہاء الدین آملی کے شاگرد اور اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم تھے انھوں نے کتاب الارشاد اور جامع عباسی پر عالمانہ حواشی لکھے ہیں ان کے علاوہ اربعین کا ترجمہ بھی کیا تھا، یہ سب کتابیں سلطان عبداللہ کے نام سے نامزد تھیں[2] اس بادشاہ کی فرمائش سے ملا جمال الدین نے الکفعمی کی کتاب المصباح کا اور ملا علی ابن طیفور نے علامہ ابن بابویہ القمی کی کتاب عیون اخبار رضا کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے اور مولانا حسین آملی نے جو شیخ بہائی کے شاگرد تھے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے[3] فارسی کا مشہور لغت برہان قاطع بھی اسی بادشاہ کے نام پر لکھا گیا ہے[4] اسی بادشاہ کے عہد میں گولکنڈہ میں ملا فتح اللہ سمنانی نے امام یافعی کی کتاب روضہ الریاحین کا

---

[1] ریو جلد اول صفحہ ۳۲۲ [2] نجوم السماء، صفحہ ۲۱۳ [3] محبوب الالباب صفحہ ۱۱۲

[4] ریو صفحہ ۵۰۰ جلد اول

ترجمہ کیا ہے۔ ملا نظام الدین احمد بن عبداللہ الساعد الشیرازی نے اسی بادشاہ کے حالات میں ایک ضخیم کتاب نہایت فصیح و بلیغ فارسی میں لکھی ہے جس نام حدیقۃ السلاطین ہے۔[1]

بادشاہ کا داماد سید نظام الدین احمد سید معصوم کا فرزند تھا سید معصوم ایسا جلیل القدر عالم تھا کہ اسے اہل ایران استاد البشر کہا کرتے تھے سید نظام الدین احمد کو علوم حکمت و فلسفہ میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی علاوہ اس کے ریاضیات کا بھی جید عالم تھا۔ اس نے مختلف علوم و فنون میں ایک سو آٹھ رسالے لکھے ہیں جو شجرۂ دانش کے نام سے مشہور ہیں اور ان کا ایک مجموعہ سنہ ۱۰۵۵ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے۔

شعرائے گولکنڈہ

سلاطین قطب شاہیہ اور اردو شاعری

سلطنت قطب شاہی کے تین بادشاہ سلطان محمد قلی (سنہ ۹۸۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ) اور اس کے دو جانشین سلطان محمد (سنہ ۱۰۲۰ھ تا سنہ ۱۰۳۵ھ) اور سلطان عبداللہ (سنہ ۱۰۳۵ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) زبان اردو کے صاحب دیوان شاعر تھے۔

کلیات سلطان محمد قطب شاہ

سلطان محمد قلی کا دیوان ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھا[2] اس میں آدھے سے زیادہ اردو

(۱) ریو ص ۳۲۲ ۔ (۲) فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۰۹ (۳) لسان العصر سنہ ۱۹۱۰ء جلد اول نمبر ۳ ص ۱۸۹

کلام تھا، بقیہ حصہ میں فارسی کی غزلیات و قصائد تھے، اسے سلطان کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا تھا[۱] اسی دیوان کا ایک بہترین نسخہ قطب شاہی کتب خانہ کا حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے اس کے متعلق مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے ایک مفصل مضمون لکھا ہے[۲]۔ یہ نسخہ بڑی تقطیع کے کشمیری کاغذ پر خط نسخ میں لکھا ہوا ہے، اس کے کم و بیش اٹھارہ سو صفحات ہیں ۱۰۲۵ھ میں اس کی کتابت ہوئی ہے، یہ نسخہ بھی سلطان محمد کا مرتب کیا ہوا ہے اور اس کے سرورق پر سلطان محمد نے اپنے دست خاص سے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

کلیات اشعار فصاحت آثار جنت مکانی فردوس آشیانی مغفرت پناہ عمی عالیحضرت محمد قلی قطب شاہ نوراللہ مرقدہ تمام شد در کتاب خانہ مبارکہ بخط محی الدین کاتب بتاریخ اوائل شہر رجب المرجب سنہ خمس و عشرین اعنی بعد الف من الہجریہ فی دارالسلطنت حیدر آباد حرس اللہ عن الاضداد۔ کتبہ العبد الخالص لمولاہ سلطان محمد قطب شاہ بلغ اللہ تعالیٰ فیما یتمناہ۔

دیوان کی ابتدا میں سلطان محمد نے ایک منظوم دیباچہ لکھا ہے اس دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان محمد قلی نے دکھنی اور فارسی میں

---

[۱] فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان ص ۱۷۹ لسان العصر ۱۹۱۲ء جلد اول نمبر ۲، ص ۱۱۔ [۲] یہ مضمون رسالہ اردو جلد دوم حصہ پنجم بابت جنوری ۱۹۲۲ء ص ۱۳ تا ص ۳۳ میں شائع ہوا ہے، سلطان محمد قلی کے کلیات کی تمام کیفیت اسی مضمون سے ماخوذ ہے۔

پچاس ہزار شعر کہے ہیں علاوہ اس کے تلنگی میں بھی اس کا کلام ہے اس دیوان میں پہلے مثنویاں ہیں ان کے بعد قصیدے پھر ترجیع بند اور مرثئے، مرثیوں کے بعد غزلیں اور رباعیاں ہیں، ان میں بالالتزام پہلے فارسی پھر دکنی کلام ہے مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے کلیات کا مطالعہ کرنے کے بعد سلطان محمد قلی کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت جو رائے ظاہر کی اس کا اقتباس ذیل میں درج ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شاعری اور اس کے کلام کی نسبت مولوی عبدالحق صاحب کی رائے

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا زمانہ تاریخ میں خاص امتیاز رکھتا ہے خاص کر شعر و شاعری کے چرچے ایران سے لے کر ہندوستان تک یکساں تھے بلکہ ہندوستان کا قدم کچھ آگے ہی تھا، شعر و سخن ہماری معاشرت و اخلاق اور ہمارے علم و فضل کا بہت بڑا جز تھے، اور ہر شخص جو شرافت کا دعویٰ رکھتا تھا شعر و سخن کا بھی مدعی تھا، ہندوستان کے بادشاہ شعر و سخن کے قدرداں ہی نہیں تھے بلکہ خود بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے یہی حال دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی بادشاہوں کا تھا، تاریخوں میں ان بادشاہوں کے نام کے بھی اشعار درج ہیں لیکن ان میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا نمبر سب سے اول ہے، اس کے کلام کا مجموعہ اس قدر ضخیم ہے کہ بادشاہ شاعر تو کیا پیشہ ور شاعر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے "

" اگر دو ایک شاعروں کو مستثنےٰ کر دیا جائے جن کا درجہ درحقیقت نہایت بلند ہے تو ہمارے یہاں کی عشقیہ شاعری میں کوئی نئی بات نہیں نظر آتی ہے، چار سو برس پہلے کا کلام اگر آج کل کے شعرا کے عشقیہ کلام کے سامنے رکھدیا جائے تو سوائے زبان کے تغیر

اور شستگی کے کوئی اور فرق معلوم نہ ہوگا، وہی باتیں ہیں وہی مضمون ہیں اور وہی طرز اور وہی بحریں ہیں، اس لحاظ سے سلطان محمد قلی قطب شاہ کا کلام اردو کے کسی دوسرے شاعر سے کم نہیں ہے، عشق و مستی اور تصوف میں اس کا کلام کسی سے پیچھے نہیں ہے بعض اوقات یہ معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کے فیض نے شاعر کی طبیعت کو گرما دیا ہے۔"

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے کلام میں ایک نئی بات دیکھی گئی ہے جو اردو شعرا، میں سوائے سودا اور نظیر کے کسی دوسرے کے کلام میں پائی نہیں جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی شاعری کو صرف عشق و محبت حمد و نعت منقبت مرثیے تک ہی محدود نہیں رکھا، بلکہ انسانی معاشرت اور مظاہر قدرت پر بھی نظر ڈالی ہے مثلاً متعدد مثنویاں پھلوں میووں پر ہیں جن میں ایران و خراسان ہی کے میوے نہیں بلکہ ہندوستان کے ہر قسم کے پھلوں کا بیان کیا ہے، دو مثنویاں سبز ترکاری اور ترکاری پرندوں کے بیان میں ہیں، ان کے علاوہ بہت سی مثنویاں اور غزلیں ایسی ہیں جنہیں سلطان محمد قلی نے شاہی محلات مثلاً الٰہی محل جہاں محل باغ محمد شاہی اور اسی عہد کے رسم و رواج مثلاً شادی بیاہ کے رسوم، سالگرہ کی تقریب، شب برات، میلاد نبی، عید غدیر، ہولی، بسنت وغیرہ پر لکھی ہیں دو نظموں میں صراحی و پیالہ اور کالی گوری کا مکالمہ بیان کیا ہے۔"

"اگرچہ کہ یہ مثنویاں معمولی ہیں اور شاعری کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ نہیں رکھتی ہیں لیکن ان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے فارسی شاعری کا پورا اتباع کیا ہے اور اس قدر وسیع النظر ہے کہ عشق و محبت کے تنگ کوچے سے باہر نکل کر صنعت و قدرت کی خوبیوں کی داد دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے سلطان محمد قلی بحیثیت

شاعر ہونے کے خاص امتیاز اور وقعت رکھتا ہے وہ نہ صرف پہلا شاعر ہے جس نے اردو میں غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ لکھا بلکہ اس نے حلقۂ تقلید سے باہر نکل کر جس میں اردو شاعری ابتدا سے مقید ہو گئی تھی، کسی قدر آزادروی اور جدت کا مسلک اختیار کیا اور اپنے مشاہدات کو کام میں لا کر ایسی چیزوں پر نظمیں لکھی جس سے اردو کے بعد کے شعرا بھی قاصر رہے"۔

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ کا اردو کلام

سلطان محمد اور سلطان عبداللہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے، پہلے کا تخلص ظل اللہ اور دوسرے کا عبداللہ ہے[۱] ان کے فارسی اشعار تاریخ قطب شاہی اور حدیقۃ السلاطین میں درج ہیں[۲]، اردو کا کلام ایک انتخاب میں جمع ہے جسے ۱۰۹۶ھ میں اردستانی نے حیدرآباد میں مرتب کیا ہے، اور اس کا ایک مطلا نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں موجود ہے[۳]

تاناشاہ بھی زبان اردو کا شاعر

بعض تذکرہ نویسوں نے ابوالحسن تاناشاہ کو بھی اردو شعرا میں شمار کیا ہے اور مرزا لطف اور میر حسن کے تذکروں میں حسب ذیل بیت ان کے نام سے تحریر ہے[۴]

کس در کہوں جاؤں کہاں، مجھ دل پہ بھل بھراٹ ہے
ایک بات کے ہوں گے سجن یاں جی ہی بارہ باٹ ہے

عہد قطب شاہیہ کے اردو شعر کہنے والے شعراء

گمان غالب ہے کہ ان بادشاہوں کے زمانہ میں اردو کے بہت باکمال شاعر ہوئے ہونگے اس واسطے کہ بادشاہوں

[۱] حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۶۹ رسالہ اردو جلد دوم صفحہ ۱۸ [۲] حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۶۹ تا صفحہ ۳۰ [۳] ملفی ایتھے نمبر ۸۰۴۸۰، ۴۹۰) [۴] گلشن ہند صفحہ ۶۵ تذکرہ میر حسن صفحہ ۶۵ گل رعنا صفحہ ۳۸

کا سلان طبع جس جانب ہوتا ہے اسی جانب لوگوں کے خیالات متوجہ ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کے حالات پر گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے اور اس کے علم کا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں ہے[۱] نہایت جد و جہد اور تلاش و تجسس کے بعد جن شعرا کے حالات اور تصنیفات دستیاب ہوئے ہیں ان کا تذکرہ ذیل میں درج ہے ۔

قطب شاہی دور کے شعرا میں احمد، فیروز، محمود اور وجہی سب سے قدیم ہیں، ان میں ملا احمد سلطان محمد قلی قطب شاہ کا درباری شاعر ہے

ملا احمد ملا فیروز ملا محمود

ملا احمد نے بادشاہ کی فرمائش سے لیلی مجنوں کی داستان منظوم کی ہے[۲]. اس کے خاتمہ میں شعر و سخن کے فضائل کو بیان کرتے ہوئے اپنے دو معاصر شعراء فیروز اور محمود کا تذکرہ کرتا ہے پھولبن میں ابن نشاطی نے بھی ان کی استادی کا اعتراف کیا ہے[۳]

نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد | جو دیتے شاعری کا ہیچ مرے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود | کتے پانی کوں پانی دود کوں دود

ملا وجہی

ملا وجہی بھی اسی عہد میں گزرا ہے، اس نے سلطان محمد قلی کی وفات سے دو سال قبل ۱۰۱۸ھ کے حدود میں ایک مثنوی لکھی ہے اور

---

[۱] گل رعنا ص ۲۶ [۲] اورنٹیل میگزین جلد دوم نمبر اول ص ۲ [۳] بلوم ہارٹ مخطوطات انڈیا آفس نمبر ۱۲۲ ۔

اس میں مشتری کے ساتھ خود بادشاہ کی عشق و محبت کے حکایات بیان کئے ہیں۔ اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

تو اول توں آخر توں قادر آہے — توں مالک توں باطن توں ظاہر آہے
توں مغنی توں مبدیٔ توں واحد سچا — توں تواب توں رب توں ماجد سچا
توں باقی توں مقسم توں ہادی توں نور — توں وارث توں منعم توں بر توں صبور

خاتمہ میں سنہ تصنیف کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

تمام اس کیا دیس بارہ منے — سنہ یک ہزار ہور اٹھارہ منے

ملا غواصی

ملا غواصی گولکنڈہ کے باشندے اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے درباری شاعر ہیں ملا نصرتی نے گلشن عشق میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

بری کچھ غواصی تبی کر خیال — کیا تازہ باغ بدیع الجمال

میر حسن اپنے تذکرہ میں تحریر کرتے ہیں

غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ (۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۷ھ) بود طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی نصفے ہندی بارٹ کہانی سرسری دیدہ بودم، شعر آں نظم یاد نیست،

ملا نظام الدین احمد شیرازی نے حدیقۃ السلاطین کے نام سے سلطان عبد اللہ قطب شاہ کی تاریخ لکھی ہے، اس میں ایک موق

پر غواصی کا تذکرہ بھی کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کو دربار کے دکنی شعرا،
میں ممتاز حیثیت حاصل تھی، ۱۱. ذی قعدہ ۱۰۴۱ھ کو بادشاہ کے
محل میں شہزادہ تولد ہوا تو غواصی نے کلمہ محفوظ باد سے اس کی تاریخ
نکالی اور اسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

دبہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلما،
وفضلا، اکرام واحسان فرمودند بفقرا و مساکین نقود و اجناس
بسیار تصدق نمودند و جمعی از شعرا، تاریخہائے کہ یافتہ بودند
بمسامع جاہ و جلال خسرو یوسف جمال رسانیدند ازاں جملہ
ایں سہ تاریخ مرقوم گردید۔ اول تاریخ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ
است، "آفتاب از آفتاب آمد پدید" و ملا غواصی کہ در شعر
دکنی از امثال خود ممتاز است ایں کلمہ را مادۂ تاریخ ساختہ
است "محفوظ"۔

۱۰۴۵ھ میں سلطان محمد عادل شاہ نے ملک خوشنود کو ایلچی بناکر
گولکنڈہ بھیجا اس کے جواب میں سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو
بیجاپور روانہ کیا اور کچھ عرصہ کے بعد غواصی بیجاپور سے واپس ہوا
تو محمد عادل شاہ نے میر زین العابدین کو ساتھ کر دیا اور اس کے ہاتھ بہت
سے تحفے سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کئے، ملا نظام الدین احمد نے
اس واقعہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

وبعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ

و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابوالحسن صاحب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش اسپ عراقی دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشارٌ الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند،،

ملا غواصی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں موجود ہیں

۱۔ قسانہ سیف الملوک و بدیع الجمال۔ الف لیلہ کے فارسی ترجمہ کا ایک مشہور فسانہ ہے۔ اس میں مصر کے شہزادہ سیف الملوک اور راجنہ کی شہزادی بدیع الجمال کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے۔ غواصی نے اسے نثر فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے۔ اور غواصی کے ایک عرصہ بعد اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں مرزا بدیع اصفہانی نے شمشیر خاں کی فرمائش سے اس داستان کو فارسی میں نظم کیا اور گلدستۂ عشق نام رکھا۔ غواصی کی یہ مثنوی ۱۰۳۵ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں تاریخ کا اس طرح ذکر ہے

برس ہزار ہور پنچ تیس تیس | کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں | کرنہار جم بادشاہی سو توں

ترے حکم تل نو کر آسمان کے | رعیت ملک تیرے فرمان کے

بھریا نس کر ان بیچ تارے حشم | کریں نوبتاں سوں النگ دمبدم

۲۔ طوطی نامہ۔ ملا ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامے کا ترجمہ ہے

اور ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے ۔ غواصی نے اس کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے ۔

برس یک ہزار ہور چالیس پو نو — ہوئے نظمے یو موتیاں پور یا ہوں تو

اس کے ابتدائی ابیات یہ ہیں ۔

خدایا جو دانا ہے توں غیب کا — ہے ستار بندیاں کمے عیب کا
نہ آکار تجھ ہے نرا کار توں — نہ چون و چرا سو دسرے کار توں
ترے راز سوں کوئی آگاہ نہیں — تصرف کو تیری طرف راہ نہیں

حدیقۃ السلاطین صفحہ ۸۹ و صفحہ ۲۴۹ حدیقۃ العالم جلد اول صفحہ ۲۴۳، میر حسن صفحہ ۱۴۰ ڈی ٹاسی جلد اول صفحہ ۱۹۴ ولسن صفحہ ۳۸۲ ایتھے نمبر ۶۸۹ ریو جلد دوم صفحہ ۷۶۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ۹۹، بلوم ہارٹ برٹش میوزیم ۴۷ و ۵۴ لسان العصر جلد اول نمبر سوم صفحہ ۱۲

مثنوی سیف الملوک ۱۲۹۰ھ میں بمبئی میں چھپ گئی ہے اور اس میں اس کا تاریخی شعر اس طرح ہے ۔

برس یک ہور ستائیس میں — کیا ختم یو نظم دن تیس میں

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۲۷ھ میں تمام ہوئی ہے لیکن کئی وجوہ سے یہ تاریخ غلط ثابت ہوتی ہے ، اولاً یہ کہ ہم نے جس قدر قلمی نسخے اس مثنوی کے دیکھے ہیں ان میں یہ تاریخی مصرعہ اسی طرح ہے جیسا کہ اصل مضمون میں اوپر نقل ہوا ہے (دیکھو ہند کے کتبات اسلامیہ بابت ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۲) اس لئے اس مثنوی کا سلطان عبداللہ کی تخت نشینی سے پہلے ۱۰۲۷ھ میں تصنیف ہونا کسی طرح بھی قرین قیاس نہیں ہے ۔

سیّد میراں حسینی

سیّد میراں حسینی گولکنڈہ کے مشائخین سے ہیں اور سلطان عبد اللہ قطب شاہ کے زمانہ میں گزرے ہیں، ۵ جمادی الاول ۱۰۸۹ھ کو ان کا انتقال ہوا، گولکنڈے کے دامن میں لنگر حوض کے کنارے مدفون ہوئے

شاہ محمد جس کا تخلص جامی ہے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے اہل دربار سے تھا۔ اس نے سنسکرت سے اخذ کر کے نظم فارسی میں کوک شاستر لکھی تھی عبد اللہ قطب شاہ کے زمانہ میں سید حسین کی فرمائش سے جن کا لقب لاڈ حسینی ہے سید میراں نے نظم دکنی میں اس کا ترجمہ کیا اور تحفۃ العاشقین نام رکھا۔

فارسی کتاب کی ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے:

کنم ابتدا من بنام خدائے — کہ پیدا است از قدرتش دوسرائے

ترجمے کے ابتدائی ابیات یہ ہیں:

خدا نام کرتا ہوں میں ابتدا — کہ قدرت سوں اس کے ہوے دوسرا

کروں ناز اسی قدرت پاک پر — شرف دی سیہ خاک کوں سربسر

بہوت مہوشاں اس نے پیدا کیا — خط دل پسند رنگ زیبا دیا

ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بو — ہر یک کون دی اخلاق پاکیزہ خو

کتاب کی اصل تصنیف کی تاریخ اور اپنے نام کی صراحت سید میراں نے

ابیات ذیل میں کی ہے۔

لکھیا تھا جو جامی نے در فارسی لکھیا ہوں میں ہندی جوں آرسی

—•⁂•—

ہزار و سی و پنج میں یہ کتاب ہے ہندی زباں سوں ہوئی انتخاب

—•⁂•—

کہ میراں حسینی میرا نام ہے تخلف مسمہ سنے عام ہے

تاریخ دکن صفحہ ۹۶؎ ریو جلد ۲ صفحہ ۸۲۹ ریو نے فارسی نسخہ کے مصنف کا نام محمد قلی جامی لکھا ہے اور اسے عبداللہ قطب شاہ کے عہد کی تصنیف بتایا ہے، لیکن یہ غلطی ہے

ملا قطبی

ملا قطبی سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں، انہوں نے ۱۰۴۵ھ میں تحفۃ النصائح کا دکنی میں ترجمہ کیا ہے، تحفۃ النصائح شیخ یوسف دہلوی کی تصنیف ہے، یہ بزرگ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے مرید ہیں، اور اپنے فرزند صدر الدین ابوالفتح کی تعلیم کے لئے ۷۹۵ھ میں اسے تصنیف کیا ہے، اس میں پینتالیس ابواب ہیں، اور ان میں فرائض و سنن کے احکام و آداب مذکور ہیں۔

تحفۃ النصائح سات سو چھیاسی بیت کا ایک ہم قافیہ قصیدہ ہے ملا قطبی نے اسی بحر اور اسی قافیہ میں اس کا شعر بشعر ترجمہ کیا ہے، فارسی قصیدے کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

حمد بگویم بے عدد   مر خالق جن و بشر
کردہ معلق آسماں   ہم اختراں شمس و قمر
عظمے بدادہ عرش را   پرّد ز پایش طائرے
جو برق سالے چار صد   آنکہ رسد پایۂ دگر

اس کا ترجمہ ملا قطبی یوں کیا ہے۔

بولوں صفت میں بے گنت   اس خالق جن و بشر
نر دھار کر اسمان رکھیا   سورج ستارے ہور چندر
جوں دی بزرگی عرش کوں   پنکھے اڑے یک پائیتے
جوں بیج برساں چار سو   انپڑے بزاں پائے دگر

ترجمہ کے اختتام کی تاریخ اس طرح بیان کی ہے

ہجرت تھے دس سو سال ہور   چالیس پر بھی پانچہ آ تھے
تب یہ مرتب سب ہوا   تحفہ سو دو گنی نامور

تحفہ کے ہم نے کئی نسخے دیکھے بعض میں قطبی تخلص ہے اور بعض میں راز ی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملا قطبی نے دو تخلص استعمال کئے ہیں ذیل کے شعر سے قطبی تخلص ظاہر ہوتا ہے۔

نازش جہاں میں ہیں کیتا   کیتا برائی کے جو بھی
قطبی دھریا امید یو   لایا ہوں سب صاحب نظر

ذیل کی بیت میں رازی تخلص آیا ہے۔

بندیاں میں سب کم تر بندہ   رازی تخلص قطب کا

تحفہ کیا دکنی زبان شہ کی رضائے سیں دھر

شیخ یوسف چشتی مصنف تحفۃ النصائح کے حالات کے لئے دیکھئے خزینۃ الاصفیا، جلد اول صـ ۳۶۶ اور تذکرہ علمائے ہند صـ ۲۵۶ کتب مذکور میں شیخ یوسف کا سنہ وفات ۸۷۴ھ لکھا ہے لیکن یہ ایک صریح غلطی ہے، کیونکہ تحفۃ النصائح اس تاریخ کے تقریباً اکیس سال بعد ۸۹۵ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

ابن نشاطی

ابن نشاطی گولکنڈہ باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا درباری شاعر ہے اس نے دو کتابیں لکھی ہیں اور انہیں سلطان عبد کے نام سے نامزد کیا ہے۔

۱۔ پھول بن۔ ایک فارسی کتاب بساطین کا منظوم ترجمہ ہے اسٹورٹ نے اس کا سن تصنیف ۱۰۵۹ھ بیان کیا ہے، کتب خانہ انڈیا آفس کے نسخے سے ۱۰۶۶ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے، لیکن کتب خانہ آصفیہ میں جو نسخہ موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۰۶۶ھ میں تمام ہوئی ہے، چنانچہ ابن نشاطی نے سبب تالیف کو بیان کرتے ہوئے اس کے نام اور تاریخ تصنیف کی اس طرح صراحت کی ہے

صفا دار اس کی دیکھ ہر ایک چمن میں ۔۔۔ رکھیا ہوں ناؤں اس کا پھولبن میں

انہا تاریخ لایا نوں یہ گلزار ۔۔۔ اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار

اس مثنوی میں بادشاہ کی مدح کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

کروں تعریف میں اس تاجور کا | سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا
شہاں کا شاہ عبداللہ غازی | اچھو جم حق سوں اس کی پیش بازی

ابتدا اس شعر سے ہوئی ہے ۔

خداوندا تجھے ہے جم خدائی | ہمیشہ تجکوں سا جے کبریائی

محمد ابراہیم بیجاپوری نے سنہ ۱۱۷۹ھ میں انوار سہیلی کا نثر دکنی میں ترجمہ کیا ہے اس کے دیباچے میں دکنی کی بہترین تصنیفات کے نام لکھے ہیں جن میں پھولبن کا نام بھی شامل ہے ۔

حاجی خلیفہ نے بساطین کا نام لکھا ہے ، یہ فارسی کی ایک مشہور کتاب ہے ، اور ملا احمد زبیری نے اسے سلطان محمد تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) کے زمانہ میں تصنیف کیا ہے ۔

۲ ۔ طوطی نامہ ، شیخ ضیاء الدین نخشبی کے فارسی طوطی نامہ سے ماخوذ ہے ، پروفیسر ڈی ٹاسی نے اس کا سن تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ بیان کیا ہے ، لیکن میجر اسٹوارٹ کے بیان سے سنہ ۱۰۶۴ھ میں اس کا تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے ۔

ڈی ٹاسی جلد اول ص ۲۵۶ اسٹوارٹ ص ۱۰۱ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ، ص ۱۰۳ و ص ۱۲۲ ایتھے نمبر ۶۸۲ السان العصر عبد ا نمبر ۳ ص ۲۲۳ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ حاجی خلیفہ جلد دوم ص ۵ کتب خانہ آصفیہ میں مثنویات اردو کے نمبر ۱۶ پر اس کا سنہ ۱۱۰۳ھ لکھا ہوا نسخہ موجود ہے ، طوطی نامہ کے لئے دیکھئے دوسرا ضمیمہ ۔

جنیدی

شیخ احمد نام ہے، سلطان عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں
اس نے ماہ پیکر کے نام سے ایک مثنوی لکھی ہے۔ ٹیپو سلطان کے
کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود تھا، لیکن اس وقت کمیاب
ہے یہ مثنوی ۱۰۶۴ھ میں تمام ہوئی ہے اور مصنف نے اس کا سال
تصنیف اس طرح بیان کیا ہے۔

بنی کی سو ہجرت کا یو تھا قرار   چہار سال تین بیس بھی ایک ہزار

اسٹوارٹ ص ۱۷۹

طبعی

طبعی گولکنڈہ کا باشندہ اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کا
معاصر ہے اس نے ۱۰۸۱ھ میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے، جس میں
بہرام و گل اندام کا فسانہ مذکور ہے اور اس کا دیباچہ شاہ راجو حسینی
کے نام سے منسوب کیا ہے خاتمہ میں ابوالحسن تانا شاہ کی مدح و ستائش
بیان کی ہے، شاہ راجو حسینی گولکنڈہ کے مشہور بزرگ ہیں، خواجہ
بندہ نواز سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے تھے ۱۰۶۳ھ
میں آپکا انتقال ہوا ہے۔ ابوالحسن تانا شاہ جو سلطان عبداللہ قطب شاہ
کا داماد و جانشین ہے، آپ کا مرید تھا۔

بہرام گور ایران کے خاندان ساسانیہ کا چودھواں بادشاہ ہے اس کے حکایات فارسی میں نظامی اور ہاتفی نے نظم کئے ہیں اور انہیں ہفت پیکر و ہفت منظر کے ناموں سے نامزد کیا ہے۔ ان ناموں کے رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ بہرام کی سات بیویاں تھیں اور وہ سات مختلف باغوں میں الگ الگ رہتی تھیں۔

طبعی نے اپنی مثنوی ہفت پیکر سے اخذ کیا ہے لیکن اس نے نظامی اور ہاتفی کی طرح اس کا کوئی خاص نام نہیں رکھا ہے خاتمہ میں قصہ بہرام و گل اندام کے نام سے موسوم کیا ہے اور اس کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

الہی بچن کا مجھے تاب دے ۔۔۔ مرے جیب کی تیغ کوں آب دے

اور حسب ذیل بیت میں تاریخ تصنیف مذکور ہے

اتھا سال تاریخ کا خوب نیک ۔۔۔ سنہ یک ہزار اور ہشتاد وایک

اسپرنگر صفحہ ۶۳۹ اسٹوارٹ صفحہ ۱۷۹ ایتھے نمبر ۱۶۶۷ ۔ ڈی ۔ ناسی کا پانچواں خطبہ مشمولہ رسالہ اردو جلد سوم صفحہ ۲۴۲

شاہ راجو حسینی کے لئے دیکھئے تاریخ خورشید جاہی صفحہ ۲۲۵ اور بہرام گور کے لئے ڈاکٹر اسپیگل کی کتاب عتائق ایران جلد سوم صفحہ ۳۴۹

نوری

نوری کا نام شجاع الدین ہے، گجرات کے سادات سے تھے اور

حیدر آباد میں رہا کرتے تھے سلطان ابو الحسن تانا شاہ (سنہ ۱۰۸۳ھ
سنہ ۱۰۹۸ھ) کے وزیر سید مظفر کے لڑکے کو تعلیم دیا کرتے تھے، میر حسن دہلوی
نے اپنے تذکرہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

نوری اپس کے دل کی کسی سے نہ کہہ سکا
حاصل بھلا اب اس سے ودا نے جو تھا سو تھا

ڈی تاسی جلد دوم صفحہ ۴۹۸ میر حسن صفحہ ۱۹۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳
صفحہ ۱۱۹

نوری دو بزرگوں کا تخلص ہے، ایک نوری حیدر آبادی جن کا
تذکرہ اوپر گذر چکا ہے، دوسرے نوری اعظم پور کے باشندے تھے شہنشاہ
اکبر (سنہ ۹۶۳ھ سنہ ۱۰۱۴ھ) کے زمانے میں گزرے ہیں انہیں ملا فیضی سے
بے حد ربط و ضبط تھا قائم چاندپوری اور میر حسن دہلوی نے اپنے تذکروں
میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے (تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۰)

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد
بیچارہ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

پروفیسر ڈی تاسی کو نوری کا تذکرہ لکھنے میں تخلص کے ایک ہونے کی
وجہ سے سخت مغالطہ ہوا ہے نوری حیدر آبادی و نوری اعظم پوری دونوں
کو ایک سمجھ کر ان کے حالات مخلوط کر دیئے ہیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں جو مضمون "زبان اردو" پر لکھا گیا ہے
اس میں بھی کاتب مضمون سے پروفیسر موصوف کی اتباع کے باعث یہی
غلطی سرزد ہوئی ہے۔

ملا فیضی کا ۱۰۰۴ھ میں انتقال ہوا ہے (بدایونی ص ۲۷۷ ماثر الکرام ص ۱۹۹)
ابوالحسن تاناشاہ کی تخت نشینی کے بعد ۱۰۸۳ھ میں سید مظفر کو عہدۂ وزارت
ملا ہے (حدیقۃ العالم جلد اول ص ۲۹۷) فیضی کی وفات اور سید مظفر کی وزارت
کے مابین اکیاسی سال کا زمانہ گزرا ہے اس طویل مدت کو طے کر کے فیضی کے
دوست کا سید مظفر کی ملازمت کرنا بعید از قیاس امر ہے۔

فائز

گولکنڈہ کا شاعر اور ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ھ تا ۱۰۹۸ھ) کا معاصر ہے
تباہی سلطنت قطب شاہیہ سے چار سال پہلے ۱۰۹۴ھ میں اس نے قصہ
رضوان شاہ و روح افزا کو نظم کیا ہے، یہ ایک ضخیم مثنوی ہے، اس کا ایک قلمی
نسخہ ۱۲۴۰ھ کا لکھا ہوا کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، یہ فسانہ نثر فارسی
میں تھا بعض دوستوں کی فرمائش سے فائز نے نظم دکنی میں اس کا ترجمہ کیا
ابتدا اس کی حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے

اول نام حق کا لے بولوں سخن — بندوں اس کی توحید کھولوں ذہن

تاریخ تصنیف اس طرح بیان کی ہے۔

اتھا جس وقت سال ہجرت ہزار — اس اوپر نود اس کے اوپر چار

مثنوی کا نام قصۂ رضوان شاہ رکھا ہے اور خاتمہ میں اس کا ذکر
اس طرح کیا ہے

ہوا قصۂ رضوان شاہ کا تمام — نبی اور ولی پر ہزاراں سلام

اسپرنگر ص ۶۰۶، اسٹوارٹ ص ۱۷۹

ڈاکٹر اسپرنگر نے فائز کا املا بجائے زائے منقوطہ کے ضاد منقوطہ سے فائض لکھا ہے۔

فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد دوم ص ۱۲۸۴ میں اس کا نام قصہ روح افزا درج ہے اور کتب خانہ مذکور میں اس کا نسخہ فن قصص میں نمبر ۱۲۱ پر محفوظ ہے

شاہی

ان کا نام شاہ قلی خاں ہے، حیدر آباد کے باشندے اور قطب شاہی لشکر میں ملازم تھے، رفتہ رفتہ تانا شاہ کے مصاحب ہو گئے، مرثیہ خوب کہتے تھے ان کا ایک شعر مشہور ہے۔

ملنا تمن کا غیر سے کوئی جھوٹ کوئی سچ مجھ کہے
کس کس کا منہ موندوں سجن کوئی کچھ کہے کوئی کچھ کہے

میر حسن ص ۱۲۳، سخن شعرا ص ۲۴۴

مرزا

ان کا نام ابوالقاسم ہے حیدر آباد کے باشندے تانا شاہ کے مقرب تھے اور اورنگ زیب عالمگیر نے جب حیدر آباد فتح کیا تو فقیر ہو کر عبداللہ گنج میں گوشہ نشین ہو گئے اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا میر حسن دہلوی نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں۔

عارض نہیں چندر کا تمرے گال سوں اچھا سمجھیں ہمن کلف کو نہ تجھ خال سوں اچھا

مرزا دہ نونہال کدھر مٹ گئے چمن
لگتا تھا جن کے ہاتھ پہ گل ڈال سو دل اچھا

میر حسن: صفحہ ۱۶۸

سلطنت عادل شاہیہ

سنہ ۸۹۵ھ — سنہ ۱۰۹۷ھ

۱. یوسف عادل شاہ	سنہ ۸۹۵ھ	سنہ ۹۱۶ھ
۲. اسمٰعیل عادل شاہ	سنہ ۹۱۶ھ	سنہ ۹۴۱ھ
۳. ملو عادل شاہ	سنہ ۹۴۱ھ	
۴. ابراہیم عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۴۱ھ	سنہ ۹۶۵ھ
۵. علی عادل شاہ اوّل	سنہ ۹۶۵ھ	سنہ ۹۸۸ھ
۶. ابراہیم عادل شاہ ثانی	سنہ ۹۸۸ھ	سنہ ۱۰۳۷ھ
۷. محمد عادل شاہ	سنہ ۱۰۳۷ھ	سنہ ۱۰۶۷ھ
۸. علی عادل شاہ ثانی	سنہ ۱۰۶۷ھ	سنہ ۱۰۸۳ھ
۹. سکندر عادل شاہ	سنہ ۱۰۸۳ھ	سنہ ۱۰۹۷ھ

یوسف عادل شاہ کی اصلیت

سلاطین عادل شاہیہ کا سلسلۂ نسب روم کے سلاطین عثمانیہ سے ملتا ہے، مورخین نے لکھا ہے کہ سلطان مراد

[۱] تاریخ فرشتہ جلد دوم صفحہ ۱۲ طبقات اکبری میں سنہ ۹۱۳ھ تحریر ہے۔ رفیع الدین شیرازی نے تذکرۃ الملوک میں اور اسد خان نے سراج التواریخ میں سنہ ۹۲۵ھ لکھا ہے۔ بساتین السلاطین صفحہ ۲۲

(۱۲۴؍سنہ ۸۵۵ھ) کے دو فرزند تھے۔

محمد خاں و یوسف خاں ۸۵۵ھ میں جب سلطان مراد کا انتقال ہو گیا تو شاہزادہ محمد بر سر حکومت ہوا اور اس خیال سے کہ شاہزادہ یوسف کی وجہ سے تخت و تاج کے لئے آیندہ کوئی فتنہ و فساد برپا نہ ہو اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ افسرانِ سلطانی شاہزادہ یوسف کے لئے اس کی ماں کے یہاں گئے تو اس نے شاہزادہ کو حوالہ کرنے کے لئے ایک روز کی مہلت لی اور اس عرصہ میں ایک ایرانی تاجر خواجہ عماد الدین گرجستانی کو بلا کر شاہزادے کو ایک کثیر دولت کے ساتھ اس کے حوالہ کر دیا تاکہ اسے دار الحکومت سے لے کر فرار ہو جائے اور شاہزادے کے بجائے ایک چرکس غلام کو جو شاہزادے کا بالکل ہم شبیہ تھا رات کو مسموم کر دیا اور صبح اس کی لاش افسرانِ سلطانی کے حوالہ کر دی۔ غلام کا جنازہ سلطانی رسم و رواج کے موافق سپرد خاک کیا گیا اور خواجہ عماد الدین شاہزادہ یوسف کو لے کر اسی شب میں ترکوں کے دار الحکومت سے نکلا اور وہاں سے ایران میں آکر ساوہ میں پناہ گزین ہوا

یوسف عادل شاہ کا ہندوستان میں آنا

خواجہ عماد الدین اور یوسف کئی سال تک ایران میں مقیم رہے اس کے بعد دونوں ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے، بندر ہرموز سے جہاز پر سوار ہو کر ۸۶۴ھ میں مصطفےٰ آباد دابل پر اترے اور یہاں بہمنیوں کے دار السلطنت احمد آباد بیدر میں آکر خواجہ

لہ سلطان مراد سلطنت عثمانیہ کا چھٹا فرمانروا ہے اس کا جانشین سلطان محمد جسے اہل تاریخ فاتح قسطنطنیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں ۸۵۵ھ سے ۸۸۶ھ تک حکمران رہا اس نے ۸۵۷ھ میں قسطنطنیہ فتح کیا تھا۔ مولانا جامی نے اس کی مدح میں متعدد قصائد لکھے ہیں۔

محمود گاواں کے مہمان ہوئے، محمود گاواں نے یوسف کی سرگذشت بادشاہ سے بیان کی اور سفارش کر کے اسے شاہی چیلوں میں شامل کرادیا شاہزادہ یوسف نہایت قابل اور ہوشیار آدمی تھا اس لئے محمد شاہ بہمنی (۸۶۷ھ ۸۸۷ھ) کے دربار میں اسے بے حد تقرب حاصل ہوگیا یہاں تک کہ ۸۹۳ھ میں بادشاہ نے اسے جنیر کا صوبہ دار بنایا اس کے بعد بیجاپور کا سرلشکر مقرر ہوا اور مدت دراز تک اس خدمت کو انجام دیتا رہا محمود شاہ بہمنی

سلطنت عادل شاہ کا ہندوستان میں قائم ہونا

(۸۸۷ھ ۹۲۴ھ) کے زمانہ میں جب سلطنت بہمنیہ تباہی کے قریب ہوگئی تو احمد نظام الملک کی تحریک سے ۸۹۵ھ میں اس نے اپنی مستقل حکومت قائم کرلی اور بیجاپور کو مستقر حکومت قرار دے کر اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔

یوسف عادل شاہ کے بعد اس کی اولاد میں یکے بعد دیگرے آٹھ بادشاہ برسر حکومت ہوئے اور اس خاندان میں کچھ کم دو سو برس حکومت قائم رہی۔[۱]

سلاطین عادل شاہیہ کا مذاق علمی

یوسف عادل شاہ اور اس کا جانشین اسمٰعیل عادل شاہ دونوں فارسی کے بلند پایہ شاعر تھے مورخ فرشتہ نے

---

[۱] یوسف عادل شاہ کی اصلیت اور روم سے فرار ہو کر بیدر میں آنے اور بیجاپور میں برسر حکومت ہونے تک جو کچھ واقعات گذرے ہیں ان کی تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص۲ منتخب اللباب جلد سوم ص۲۶۷ بساتین السلاطین ص۵ ہنری کوزن کی انگریزی کتاب آرکی ٹیکچر آف بیجاپور کا ضمیمہ جس میں سلطنت عادل شاہیہ کے تاریخی حالات تحریر ہیں۔

اپنی تاریخ میں ان کا کلام نقل کیا ہے، اور اسمٰعیل عادل شاہ کی نسبت لکھا ہے۔

"ہیچ یک از سلاطین دکن مبانت و لطافت او سخن نہ گفتہ"

اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ ہوئے ہیں، یہ دونوں بادشاہ ارباب کمال کے بڑے قدرداں تھے ان عہد میں عراق و عجم کے سینکڑوں اہل علم نے آکر بیجاپور کی سکونت اختیار کرلی تھی اور اس عہد میں یہ شہر ایران کا نمونہ بن گیا تھا۔

علی عادل شاہ نے ملا فتح اللہ شیرازی کو جسے علمائے عراق عقل حادی عشر کے لقب سے یاد کرتے ہیں ہزارہا روپیہ صرف کرکے شیراز سے بلایا تھا، اس کا وزیر افضل خاں شیرازی بہت بڑا عالم تھا اور اس کی فیاضیوں سے بیجاپور میں کثرت سے علما، و فضلا جمع ہو گئے تھے افضل خاں اور ملا فتح اللہ شیرازی کے مکانات روزانہ علمی جلسے ہوا کرتے تھے علی عادل شاہ ہفتہ میں تین بار دربار شاہی میں علما، و فضلا کو جمع کرتا تھا اور یہ لوگ بادشاہ کے روبرو علمی مباحثہ و مذاکرہ کیا کرتے تھے

ابراہیم ثانی جو علی عادل شاہ کے بعد تخت و تاج کا مالک ہوا ہے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اس نے اپنے زمانے میں علم و ہنر کے پھیلانے میں جو کوششیں کی ہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں، اس کے دربار میں بڑے بڑے اہل کمال جمع تھے مثلاً نورالدین ظہوری جس کی نظم و نثر ساری دنیا میں مشہور ہے۔

ملا ملک قمی جس نے نظامی کی مخزن الاسرار کا جواب لکھ کر بادشاہ سے اس کے صلہ میں ایک بار شتر زر طلا حاصل کیا ہے
حکیم محمد قاسم فرشتہ جس نے بادشاہ کے حکم سے ہندوستان کی بے مثل و نظیر تاریخ لکھی ہے.
عبدالرشید البتنگی جس نے بادشاہ کی فرمائش سے علاالدین محمد بن زکریا قزوینی کی عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے.
ملا رفیع الدین شیرازی جس نے بادشاہ کے ایما سے روضۃ الصفا کا خلاصہ لکھا ہے اور سلاطین بہمنیہ اور شاہان عادل شاہیہ کی ایک مبسوط تاریخ تذکرہ الملوک کے نام سے تصنیف
شیخ علم اللہ محدث خاتم المحدثین شہاب الدین ابن الحجر المکی کے شاگرد تھے اور بادشاہ کی طرف سے بیجاپور کی جامع مسجد علم حدیث کا درس دیا کرتے تھے.
ابراہیم ثانی کے بعد محمد عادل شاہ اور اس کے بعد علی عادل شاہ ثانی برسر حکومت ہوئے ہیں یہ بادشاہ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح علم و فضل کے حامی اور سرپرست تھے. محمد عادل شاہ کا درباری شاعر حکیم آتشی تھا اس نے بادشاہ کے حکم سے خمسہ نظامی کا جواب لکھا ہے ملا رفیع الدین نے تذکرۃ الملوک میں سلاطین عادل شاہی کے حالات ابراہیم ثانی تک لکھے ہیں، بادشاہ کے ایما سے ملا محمد حسن نے اس کا تکملہ

لکھا اور اس میں محمد عادل شاہ کے حالات تحریر کئے، علی عادل شاہ ثانی کے زمانہ میں سید نور اسد ولد قاضی سید علی محمد ایک زبردست انشا پرداز گذرے ہیں انہوں نے علی عادل شاہ ثانی کی تاریخ لکھی ہے اور اس میں اپنے چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں، اس کتاب کی عبارت رنگین ہے اور تمام فقرے مسجع و مقفیٰ ہیں۔

سلاطین عادل شاہیہ اور زبان اردو

سلطنت عادل شاہیہ کی بنیاد پڑنے سے مدتوں پہلے بیجاپور میں اردو زبان عام ہوگئی تھی امیر غریب ادنی اعلیٰ سب اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے، سلاطین بہمنیہ نے یہاں کے شاہی دفتر کو بھی اسی زبان میں کردیا تھا، لیکن یوسف عادل شاہ اور اس کے فرزند اسمٰعیل عادل شاہ نے اپنے زمانہ میں شاہی دفتر کو فارسی میں منتقل کردیا تھا، کم و بیش پچاس سال فارسی عروج پر رہی، ابراہیم عادل شاہ اول نے جب تاج و تخت حاصل کیا تو اس نے حسب سابق فارسی کے عوض شاہی دفاتر میں زبان اردو کو رواج دیا اور یہ زبان سلطنت کی زبان قرار پائی، مؤرخ خافی خان نے اس واقعہ کو حسب ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وابراہیم عادل شاہ دفتر فارسی کہ بجائے دفتر ہندی جد و پدر قرار دادہ باد برطرف نمودہ بدستور سابق ہندوی

مقرر نمود ند ؎۱

علی عادل شاہ اول ر ۹۶۵ھ ۹۸۸ھ ، نے اپنے زمانہ میں پھر فارسی زبان کو مروج کیا، لیکن جب ابراہیم عادل شاہ ثانی ر ۹۸۸ھ ۱۰۲۷ھ، حکمراں ہوا تو شاہی دفاتر میں پھر زبان اردو جاری ہوگئی اور سلطنت عادل شاہیہ کی تباہی تک برابر جاری رہی ؎۲

ابراہیم عادل شاہ کو موسیقی میں بے حد مہارت حاصل تھی خاص کر سرود ہندی میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ اس عہد کے تمام گویے اسے "جگت گرو" کہا کرتے تھے . اس نے علم موسیقی میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں سرود ہندی کے قواعد و ضوابط قلمبند کئے تھے اور اس کا نام نورسنامہ رکھا تھا، یہ کتاب نظم دکنی میں تھی ، ملا ظہوری نے فارسی میں اس دیباچہ لکھا تھا جو اس وقت بھی موجود اور سہ نثر ظہوری کے نام سے مشہور ہے .

علی عادل شاہ ثانی کو زبان اردو سے بیحد دلچسپی تھی اس کے زمانہ میں شعر و شاعری کا خوب چرچا تھا، اردو گو شعرا کثرت سے پیدا ہو گئے تھے ، بادشاہ ان کے ساتھ خاص مراعات کیا کرتا تھا ، اور ان سے اردو میں بہت سی کتابیں لکھوائی تھیں اور ان کے صلہ میں

؎۱ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۱۰ مورخ فرشتہ اور قاضی ابراہیم زبیری نے بھی قدرے اجمال کے ساتھ اس واقعہ کو تحریر کیا ہے دیکھئے تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۲۰ بساتین السلاطین ص ۱۹۰ ؎۲ سلسلہ آصفیہ جلد چہارم ص ۱۲۵

رقومات کثیر عطا کئے تھے۔ چنانچہ مورخ خانی خاں نے لکھا ہے

بادشاہے بود باہوش سپاہ دوست و در سخاوت و شجاعت وست
غلق مشہور۔ فضلا و صلحا را دوست داشتے و شاعران را حرمت
نمودے خصوص در حق شاعران ہندی زیادہ مراعات میفرمود
در عہد او ترجمہ یوسف زلیخا تالیف ملا جامی و ترجمۂ روضۃ
الشہدا و قصہ منوہر و مدمالت کہ عاقل خاں خوانی بہ نظم درآوردہ
ملا نصرتی و دیگر شاعراں بیجاپور بہ زبان دکنی تالیف نمودہ
از نقد و جنس صلہ وافر در خور سلاطین یافتند۔
د جملہ شعرائے بیجاپور آں عہد میرزا تخلص شاعرے بود کہ زبان
خود را وقف حمد و نعت سید المرسلین و منقبت آلہ الطاہرین
نمودہ ہرگز برائے احدے از شاہ و گدا شعر نہ گفت و مرتبہ بیشمار
کہ در ماتم شہدائے کربلا گفتہ زبان زد خاص و عام مردم دکن
و دیگر بلاد گردیدہ، روزے علی عادل شاہ میرزا را بحضور خود
طلبیدہ بعد عنایات بے پایاں تکلیف نمود کہ در مدح بادشاہ
زبان آشنا سازد در جواب التماس نمود یک دو مرثیہ از زبان
سلطان بجائے اسم خود تخلص علی عادل شاہ قسمی داخل نمود کہ
ذو معنی واقع شدہ" [1]

ابراہیم زبیری نے علی عادل شاہ کے اوصاف و محاسن کو بیان
کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ

---

[1] منتخب اللباب جلد سوم ص۳۵۹ – ۳۶۰

شعرائے ہندی گو بسیار از خاک بیجاپور برخاستہ اند و خانہ بخانہ ہنگامہ
شعر گوئی تازہ گرم داشتہ اند از آں طبقہ یکے میاں نصرتی است
کہ بہ نصرت وقار و مساعدت ذہن ثاقب تیغ زبان کشیدہ فتح
اقلیم سخنوری کردہ بملک الشعرائی حکم شد،، [1]

حاکم شاہ نور نواب دلیر جنگ بہادر کے حکم سے میر احمد علی خاں نے
۱۲۷۶ھ میں سلاطین بیجاپور کی ایک تاریخ لکھی ہے جس کا نام گلدستۂ [2]
بیجاپور ہے اس میں علی عادل شاہ ثانی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس
کے درباری شعراء کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے۔

شعر گویان تازہ خیال اس بادشاہ نکتہ سنج کے دربار فیض بار میں
حاضر رہا کرتے تھے، چنانچہ میاں نصرتی کہ خیال رنگین و اشعار تازہ
مضامین اس کے مقبول خاص و عام کے ہیں اور شعرائے زماں میں
ملک الشعراء سے مشہور ہے اور طبع زاد سے اپنے کتاب گلشن عشق
اور علی نامہ نام سے اس شہریار عالی وقار کے تصنیف کیا ہے
جو کوئی نسخہ زبان ہندی میں اس خوبی اور تازہ مضمونی سے
نہیں بنا ہو گا۔

ملا نصرتی شاعر ہندی گو تھا۔ وہ شاہ نور اللہ و مرزا مقیم و مرزا
دولت شاہ و حکیم آتشی اکثر فارسی گو تھے اور ہندی شعر بھی کہتے تھے
اور سوائے انہوں کے بہت شعراء فارسی گو اور ہندی گو بھی تھے۔ چنانچہ ایک

---

[1] بساتین السلاطین ص ۱۴۳ [2] گلدستۂ بیجاپور طبع شاہ نور ۱۲۷۹ھ ص ۲۶، و ص ۲۷ و ص ۲۸

ان میں سے ہاشمی تھا کہ احسن القصص کو زبان ہندی سے شعر پردازی کر کے داد سخن کا دیا ہے اور رسالہ نجات نامہ بھی نتائج طبع سے اس کے ہے، اور عبد اللطیف و عبد النبی اکثر قصائد بفصاحت و بلاغت تمام زبان فارسی سے کہے ہیں۔ الغرض اس شہریار عالی تبار کے عصر میں بیجاپور معمور تھا، اور شعراء و فضلاء و زہدا و صلحا، و اولیا، جمیع اہل فنون بارگاہ سلطنت میں اس کے حاضر تھے ۔

دربار عادل شاہی کے شعراء کی تعداد اگرچہ سینکڑوں سے متجاوز ہوگی مگر تذکرہ نویسوں کی بے التفاتی سے ان کے نام تک ناپید ہو گئے ہیں، بعض نام تاریخوں میں ضمناً آ گئے ہیں، بعض کا پتہ ان کی ان تصانیف سے چلا ہے جو زمانہ کی ناقدری کے باعث تباہ و برباد ہونے کے قریب ہو گئی ہیں۔ ان میں سے ذیل کے شعراء نے بیجاپور میں خاص شہرت حاصل کی ہے۔

شعرائے بیجاپور

شاہ میراں جی شمس العشاق

آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں۔ خواجہ کمال الدین بیابانی کے خلیفہ تھے خواجہ صاحب نے شیخ جمال الدین مغربی سے خلافت حاصل کی تھی شیخ جمال الدین خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے خلفا سے تھے۔

حضرت میراں جی نے بارہ حج کیے اور یوسف عادل شاہ کے عہد میں آکر بیجاپور میں سکونت اختیار کی۔ ۲۵ شوال ۹۰۲ھ کو انتقال فرمایا۔ آپ کا گنبد حصار بیجاپور کے باہر شاہ پور میں ایک ٹیلہ پر واقع ہے مرزا فصیح الدین خاکسا المعروف بہ بابا سنجل جو تصوف اور شعر و سخن میں سرآمد روزگار اور دکن کے امیر خسرو تھے آپ ہی کے خلیفہ اور تربیت یافتہ ہیں حضرت میراں جی نے اردو نظم و نثر میں کئی رسالے لکھے ہیں اور ان میں تصوف کے اسرار و نکات کو بیان کیا ہے۔ منجملہ ان نظم میں دو رسالے زیادہ مشہور ہیں۔ گنج العرفان اور شہادۃ التحقیق گنج العرفان چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نو باب ہیں اور ان میں عرفان کے اہم مسائل مثلاً روح کی حقیقت۔ مراقبہ عقل و عشق کا مناظرہ موحد و ملحد کا فرق اور اسی نوعیت کے دیگر مضامین ہیں۔ شہادۃ التحقیق میں

اخلاق تصوف کے رموز و حقائق کا تذکرہ ہے۔

روضۃ الاولیائے بیجاپور ص۱۲ تاریخ خورشید جاہی ص۱۲۳ رسالہ اردو جلد ہشتم ص۱۷

رسالہ گنج العرفان ۱۲۸۱ھ میں باہتمام شاہ نور محمد رام کے مطبع میں طبع ہوا ہے

ملک خوشنود

سلطان محمد عادل شاہ کا درباری شاعر ہے یہ اصل میں سلطان عبداللہ قطب شاہ کا حبشی غلام تھا۔ ۱۰۴۲ھ میں محمد عادل شاہ کے ساتھ امیر محمد امین ابن ابراہیم قطب شاہ کی دختر فاطمہ سلطانہ شہربانو بیگم کا عقد ہوا اور دلہن گولکنڈہ سے بیجاپور کو روانہ ہوئی تو سلطان عبداللہ نے اس کے جہیز میں ملک خوشنود کو بھی شامل کر دیا۔ اور اس نے اپنے خدمات لائقہ اور حسن کارگزاری کے باعث بادشاہ اور ملکہ دونوں کے یہاں حد سے زیادہ تقرب حاصل کر لیا یہاں تک کہ امور سلطنت میں انتدادی کے مواقع پر حجابت کے فرائض بھی انجام دینے لگا۔ چنانچہ ۱۰۴۵ھ میں ایسے ہی موقع پر عادل شاہ نے اسے ایلچی بنا کر سلطان عبداللہ کے یہاں روانہ کیا۔ اس حجابت کا واقعہ یہ ہے۔ کہ خواص خاں عادل شاہی سلطنت کے امرائے عظام میں سے تھا اور محمد عادل شاہ کے عہد میں اسے ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا کہ سلطنت کے سیاہ و سپید کا مختار بن بیٹھا تھا۔ محمد عادل شاہ نے جب اس کے استیصال کرنے کا ارادہ کیا تو سلطان عبداللہ نے اس موقع پر امداد روانہ کی اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے

عادل شاہ نے بیجاپور سے ملک خوشنود کو سلطان عبداللہ کے یہاں گولکنڈہ بھیجا اور جب گولکنڈہ سے واپس ہوا تو سلطان عبداللہ نے ملا غواصی کو اس کے ہمراہ کردیا، ان تمام واقعات کو ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

"ملک خوشنود کہ از مکان این دولت خانہ گیتی نشانہ بود و در وقت ارسال پالکی زرنگار مبارکہ بلقیس الزمانی او را داخل ملکان و خواجہ سرایان جہاز کردہ بودند، و در راہ بیجاپور از و فور خدمات شائستہ از خواجہ ہائے دیگر انتیاز بہم رسانیدہ بود و در خدمت ملکہ عالمیان قرب و منزلت زیادہ یافتہ بواسطہ شکر گذاری امداد و اعانتی کہ واقع شدہ بود با تحف و ہدایا و سہ زنجیر فیل و شش راس اسپ فرستادند۔ و بعد از یک چندے ملا غواصی شاعر دکنی را رفیق او ساختہ با تحفہ و یادگار روانہ بیجاپور ساختند و بعد از قتل خواص خاں حضرت عادل شاہ میر زین العابدین پسر شاہ ابو الحسن حاجب مقیمی را ہمراہ ملا غواصی شاعر نمودہ دو زنجیر فیل بزرگ و شش سر اسپ عراقی و دو صندوق مقفل از تحف و ہدایا ارسال داشتند و مشار الیہما بشرف بساط بوسی مشرف و سرفراز گردیدند۔"

ملک خوشنود نے سلطان محمد عادل شاہ کی فرمائش سے ۱۰۵۵ھ میں ہشت بہشت کا دکنی میں منظوم ترجمہ کیا ہے، ہشت بہشت امیر

خسرو کی مشہور مثنوی ہے اور اس میں بہرام گور کا فسانہ مذکور ہے ترجمہ
کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

سراؤں بجہ کو جو توں ہے پاک معبود ہوا سب خلق و عالم تجھ سوں موجود

حدیقۃ السلاطین ص۲۴۷ و ص۲۴۹ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر ۵ ، بلوم ہارٹ
نے ہشت بہشت کے مصنف کا نام محمد شاہ لکھا ہے جو غلط ہے۔

رُستمی

رستمی کا نام کمال خاں اور اس کے والد کا نام اسمٰعیل خاں
ہے، باپ اور بیٹے دونوں سلاطین عادل شاہیہ کے دربار میں
دارالانشاء کی افسری پر مامور تھے اور بادشاہ نے انہیں خطاط
خاں کا خطاب دیا تھا۔ ڈی ٹاسی نے اس کا تخلص رسمی لکھا
ہے، لیکن یہ غلطی ہے۔

رستمی نے خدیجہ سلطانہ شہربانو بیگم کی فرمائش سے سنہ ۱۰۵۹ھ
میں خاور نامہ کا فارسی سے نظم دکنی میں ترجمہ کیا ہے، یہ بیگم امیر
محمد امین ابن سلطان ابراہیم قطب شاہیہ کی دختر تھی سنہ ۱۰۴۲ھ
میں بعہد سلطان عبداللہ قطب شاہ ابو المنصور سلطان محمد
عادل شاہ کے ساتھ اس کا عقد ہوا تھا۔

خاور نامہ نظم ہے اور شاہنامہ فردوسی کے جواب میں لکھا
گیا ہے۔ اس امیر المومنین جناب علی علیہ السلام کے محاربات مذکور

ہیں، محمد بن حسام الدین الخوافی نے ۸۳۱ھ میں اسے تصنیف کیا ہے اور اس کے باعث اس نے فردوسی ثانی کے لقب سے شہرت حاصل کی ہے، ابن حسام کا سن وفات دولت شاہ نے ۸۳۷ھ اور خوند میر نے ۸۹۳ھ لکھا ہے لیکن صحیح تاریخ ۸۷۵ھ ہے۔

بلوم ہارٹ نے خاور نامہ کی ابتدا، اور اختتام کے حسب ذیل ابیات نقل کئے ہیں۔

آغاز

اول جب کیا یو کتاب ابتدا — بندیا بات میں نقش نام خدا
جو صاحب ہے او عقل ہور جان کا — کیا دین بخشش او ایمان کا
او ہے ایک صاحب ابر ہور نلیں — جو ہستی پر اس کی گواہیں ہمیں

خاتمہ

خاور نامہ دکنی کیتا ہوں نام — ہوا خاوران پر قصہ سب تمام
اس او پر بہوت گذرے گا روزگار — اچھے گا یو دنیا میں ہو یادگار
تو اس نامے کوں نامہ شاہ جان — دوجے ناماں پر شاہ دنخواہ جان

ڈی ٹاسی جلد دوم ص۵۶۹ ایتھے نمبر ۹۶ ۸ ۔ ریو جلد دوم ص۶۲۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۵ حدیقۃ العالم جلد اول ص۳۴۳ حبیب السیر جلد سوم جزء سوم ص۲۳۹

نصرتی

نصرتی کا نام شیخ نصرت اور وطن بیجاپور ہے ان کے آباو اجداد

بیجاپور میں فوجی ملازم اور والد رکاب شاہی کے سلحدار تھے۔ چنانچہ خود نصرتی نے اس کا ذکر کیا ہے۔

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت یا آب　　قدیم ایک سلحدار جمیع رکاب

نصرتی کے بھائی شیخ منصور ایک اہل دل اور خدا رسیدہ بزرگ تھے، بیجاپور کے مشاہیر فقرا میں ان کا شمار ہوتا ہے، نگینہ باغ کے قریب سید شاہ عبدالرزاق قادریؒ کی درگاہ میں ان کا مزار اب تک موجود ہے،

گلشن عشق کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصرتی نے محمد عادل شاہ کے (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) زمانہ میں دربار میں رسائی حاصل کی علی عادل شاہ (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے دور میں عروج پایا اور ملک الشعراء کا خطاب حاصل کیا۔

نصرتی کی تصنیفات سے تین مثنویاں ہیں، ایک قصائد کا مجموعہ اور ایک غزلیات کا دیوان ہے، مثنویوں کے نام یہ ہیں (۱) علی نامہ (۲) گلشن عشق (۳) گلدستۂ عشق یہ تینوں کتابیں ٹیپو سلطان کے کتب خانہ میں موجود تھیں، پروفیسر ڈی ٹاسی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔

علی نامہ تاریخی نظم ہے، اس میں نصرتی نے علی عادل شاہ کے سوانحات، فتوحات اور مجالس عیش و طرب کے واقعات بیان کئے ہیں اور ان کے ضمن میں مختلف مواقع پر قصائد مدحیہ بھی درج ہیں، مارلے نے اپنی فہرست مخطوطات تاریخی میں اس کا نام تاریخ علی عادل شاہ لکھا ہے، لیکن نصرتی نے شاہنامۂ دکن کے نام سے

اس کا ذکر کیا ہے، چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

ہوں کیتا سخن مختصر بے گماں ۔۔۔ کہ یو شاہنامہ دکن کا ہے جان

علی نامہ کا ہم نے جو نسخہ دیکھا ہے اس میں سن تصنیف درج نہیں ہے لیکن مختلف قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۰۷۰ھ کے بعد تمام ہوئی ہے کیونکہ اس میں سب سے اخیر واقعہ پنالہ کی فتح کا مذکور ہے اور اس مقام کو علی عادل شاہ نے ۱۰۷۰ھ میں فتح کیا ہے، اور اس واقعہ کی یادگار میں نصرتی نے بھی دکنی زبان میں ایک تاریخ کہی ہے جو ابراہیم زبیری کی تاریخ میں درج ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

علی نامہ کی ابتدا ایک قطعہ سے ہوئی ہے جو درج ذیل ہے

حمد اول ہے خدا کا کہ جن نے روز ازل
دیا ہے ہمت مرداں کوں جوں توفیق سوں بل
رکھیا اس فتح کے نانے کا علی نامہ نانوں
جس کا ہر رزم رستم کے گئے ہوئے ہکل

اس کے بعد مثنوی کا آغاز حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

سراناسری اس سکت دار کوں ۔۔۔ کہ ادھار ہے ان نرادھار کوں

خاتمہ ان اشعار پر ہوا ہے۔

اتا نصرتی ختم کر یو کلام ۔۔۔ دعا سوں ہے تج مدعا، تمام
الٰہی جنگ تیغ سوں آفتاب ۔۔۔ دبا دے ستارے کوں زرک مہ پو داب

تلک جس سوں یہ نسخہ منظر اچھو　　دندیاں پر سدا تیغ نفس دارا چھو

گلشن عشق میں منوہر و مدمالتی کے حسن و عشق کی داستان مذکور ہے. اس میں کم و بیش چار ہزار اشعار ہیں اور سنہ ۱۰۶۸ھ میں تمام ہوئی ہے۔ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

دہریا اس کی تاریخ کا جب خیال　　وہیں ہاتف غیب معجز مقال
کہیا اس کی تاریخ میں ہجرتی　　"مبارک ہے یو ہدیہ نصرتی"

اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

صفت اسکی قدرت کی اول سراؤں　　دہریا جس نے یو گلشن عشق ناؤں
کیا کر کرم عشق کا نیس اجھال　　یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال
عجب کوئی توں باغبان جہاں　　جو صنعت میں تجھ چل سکے نا زباں

عاقل خان رازی نے بھی منوہر و مدمالتی کے فسانہ کو سنہ ۱۰۶۵ھ میں فارسی میں نظم کیا اور مہر و ماہ اس کا نام رکھا ہے

حدیث روشن دل خواہ گویم　　سخن از عشق مہر و ماہ گویم
کنم عشق منوہر را کتابے　　دہم از نام مہر آنرا خطابے
نوائی حسن مدمالت سرایم　　دلے از پردہ ماہش نما یم
ز ہجرت یک ہزار و شصت و پنج است　　کزیں غم خانہ طبعم نکتہ سنج است
چو من ایں داستاں از غم زدم دم　　بخواں تاریخ آں "دیباچہ غم"

خافی خاں نے گلشن عشق کو اسی مثنوی کا ترجمہ سمجھا ہے، لیکن نصرتی نے کہیں اس کا ذکر نہیں کیا ہے کہ یہ مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ ہے

یا اس سے ماخوذ ہے۔

قصائد و غزلیات کے مجموعے اس وقت نابید ہیں لیکن ابراہیم زبیری کے زمانہ میں موجود اور مروج و متداول تھے اور ان میں قصائد و غزلیات کے علاوہ نظم کے دوسرے اصناف بھی موجود تھے۔

نصرتی کی تصنیفات میں ایک قصیدۂ نعتیہ بھی شامل ہے جس کے ایک سو اکیس شعر ہیں۔ اس میں معراج کے حالات مذکور ہیں جس کے باعث وہ معراج نامہ کے نام سے مشہور ہے، یہ قصیدہ سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۷ھ) کے عہد میں لکھا گیا ہے، اس کے خاتمہ میں نصرتی نے بادشاہ کی مدح و ستائش کی ہے اور اخیر میں اپنا تخلص اس طرح لایا ہے

شہ کی ثنا نصرتی نغز دنول یوں لکھی
دور کے دفتر اوپر پر اچھے ہر یک بچن

گل رعنا کے مصنف نے اس کا ایک نسخہ دیکھا ہے جو ۱۰۸۳ھ میں بمقام اکبر آباد مکتوب ہوا ہے، اور چند اشعار اس سے انتخاب کر کے اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں۔

نصرتی کا ۱۰۹۵ھ میں انتقال ہوا ہے اور ان کی لاش سید شاہ عبدالرزاق قادری کی درگاہ میں شیخ منصور کے مزار کے قریب مدفون ہے

ابراہیم زبیری نے نصرتی کے کلام کی بڑی تعریف کی ہے اور ان کی مضمون آفرینی زور طبع اور اوج تخیل کو خاقانی کے ہم پایہ قرار دیا ہے

ڈی ٹاسی جلد دوم ص ۴۸۵ اسٹوارٹ ص ۱۷۸ و ص ۱۷۹ اسپرنگر ص ۶۳۳ مالے ص ۷۹ ولسن جلد دوم ص ۳۹۰ ایتھے نمبر ۱۶۳۴ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۳۶ و ۴۰ و ۱۰۵ و ۱۰۶ و ۱۰۷ بلوم ہارٹ برٹش میوزیم نمبر ۴۵ و ۴۶ ریو جلد دوم ص ۷۰ جلد سوم ص ۸۰۳ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶ بساطین السلاطین ص ۷ و ص ۳۷۶ و ص ۳۹ و ص ۳۸ گلدستہ بیجاپور ص ۷۶ ترجمہ انوار سہیلی ص ۱۱ سلسلہ آصفیہ جلد ہشتم ص ۱۶۵ گل رعنا ص ۲۶ و ص ۷۹ لسان العصر جلد اول نمبر ۳ ص ۱۱۱ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم -

شاہ ملک

شاہ ملک بیجاپور کے باشندے اور سلطان علی عادل شاہ (سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں۔ انہوں نے ایک رسالہ مسائل دین کے متعلق نظم دکنی میں لکھا ہے اور اس میں نماز کے فرائض و احکام بیان کئے ہیں یہ رسالہ کسی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے اور سنہ ۱۰۷۷ھ میں تمام ہوا ہے چنانچہ خاتمہ میں تحریر ہے۔

یو مسلیاں کوں دکنی کیا اس سبب | فہم کرکے دل میں کرے یاد سب
سو بولیں الف ہے و میم لام کاف | فرس کوں دکنی میں بولیا ہے صاف
سن یک ہزار ہور ستر یو سات | کیا تھا اسی سال میں یو نکات

اس کی ابتدا اشعار ذیل سے ہوئی ہے

الٰہی دے توفیق توں انسان کوں | کریں بندگی تیری دل جان سوں
تو پیدا کیا محض بندگی کے تئیں | سو اد چھوڑ ٹکڑے ہیں گندگی کے تئیں

بلوم ہارٹ نے اس رسالہ کا نام شریعت نامہ لکھا ہے، لیکن اس ایک قلمی نسخہ ۱۱۱۱ھ کا لکھا ہوا ہماری نظر سے گذرا ہے اس کے خاتمہ پر اس کا نام احکام الصلوٰۃ تحریر ہے۔

بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر (۳)

امین

امین شیخ امین الدین اعلیٰ کا تخلص ہے، آپ بیجاپور کے اولیائے کبار سے ہیں اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں گذرے ہیں شاہ میراں جی شمس العشاق آپ کے دادا تھے ۱۰۸۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے، آپ پر شب و روز محویت و استغراق کی کیفیت طاری رہا کرتی تھی اور جب کبھی اس کیفیت میں غلبہ ہوتا تو آپ نظم میں عرفان کے حقائق و اسرار ارشاد فرماتے تھے آپ کے مریدوں نے ان اشارات کو جمع کیا ہے اور اس مجموعہ کا نام جواہر الاسرار رکھا ہے، میں نے اس کا ایک نسخہ دبلور میں دیکھا ہے جس کا حجم پانسو صفحات سے زیادہ ہے اور اس میں کثرت سے چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں، منجملہ ان کے بعض مثنویوں کے نام یہ ہیں۔ رموز السالکین ۔ محبت نامہ ۔ مفتاح التوحید، رسالہ وجودیہ وغیرہ ۔ رسالہ قربیہ

روضۃ الاولیائے بیجاپور صہ ۱۲۲
تاریخ خورشید جاہی صہ ۱۹۱

سیوا

ان کا وطن گلبرگہ تھا لیکن بیجاپور میں رہا کرتے تھے علی عادل شاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ سنہ ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں انہوں نے سنہ ۱۰۹۲ھ میں روضۃ الشہدا کو نظم دکھنی میں ترجمہ کیا ہے اس کے بعد قانون اسلام کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں عبادات کے احکام و مسائل تحریر ہیں ان کے علاوہ بہت سے مرثئے بھی لکھے ہیں جو بقول مولانا آزاد دکن کے امام باڑوں میں اب تک پڑھے جاتے ہیں۔

روضۃ الشہدا مولانا کمال الدین حسین الواعظ کی تصنیف ہے مولانا حسین واعظ ہرات کے باشندے اور اپنے عہد کے مشہور واعظ ہوئے ہیں۔ سلطان حسین مرزا کے معاصر تھے سنہ ۹۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ انوار سہیلی۔ اخلاق محسنی تفسیر حسینی وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات سے ہیں روضۃ الشہدا شہدائے کربلا کے حالات میں ایک مشہور اور مقبول عام کتاب ہے سیوا کے بعد دکن کے عام شعراء نے ان واقعات کو منظوم کیا ہے ان سب کا ماخذ بھی یہی فارسی کتاب ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم صـ ۱۴۲ اسٹوارٹ صـ ۱۸۱ آب حیات صـ ۲۷ لسان العصر جلد اول صـ ۱۱۶ حبیب السیر۔ جلد سوم۔ جز سوم صـ ۳۴۱

—

مومن

ان کا نام عبد المومن ہے، چیناپٹن کے باشندے تھے
یہ شہر علاقہ میسور میں واقع ہے جو عالمگیر کی فتوحات سے پہلے عادل
عملداری میں شامل تھا، مومن مہدوی مذہب کے پابند تھے انہوں
نے عشق نامہ کے نام سے دکنی میں ایک ضخیم مثنوی لکھی ہے اور اس
میں اپنے ہادی و پیشوا حضرت سید محمد صاحب جونپوری کے حالات
و کرامات تحریر کیے ہیں، یہ کتاب ۱۰۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے
خاتمہ میں کتاب کا نام اور اختتام کی تاریخ اس طرح مذکور ہے
کہ جس کے فیض کا لے پاک خامہ لکھیا میں ختم کر یو عشق نامہ
ہوا جب یو مبارک ختم مجھ فال ہزار ایک ہور نود پر تین تھے سال

ابتدا کے چار بیت یہ ہیں۔

بکھانو حمد اس معشوق کا آج کیا جی عاشقاں کیرا نول کاج
انا المحبوب کا کر جشن عام آں بٹھایا عشق کا نازک پیام آں
انتم الفقر کیرا جبلہ خاص محبت سوں سنواریا بخش اخلاص
تجمل باج او خالی نہو سی کہ ہے وہ جلوہ گاہ نوعروسی

اس مثنوی کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے رفن سوانحمری
نمبر ۲۵۰۔ اس کی کتابت ۱۱۲۳ھ میں تصنیف سے تیس سال بعد میں ہوئی
ہے اور اس کے خاتمہ پر فارسی زبان میں ایک قطعہ تاریخ درج
ہے

اس میں کتاب کو اسرار عشق کے نام سے موسوم کیا ہے۔

ہاشمی

ان کا نام سید میراں اور وطن بیجاپور ہے علی عادل شاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ تا سنہ ۱۰۸۳ھ) کے عہد میں گذرے ہیں، سید شاہ ہاشم علوی کے مرید تھے اور اسی مناسبت سے ہاشمی تخلص کرتے تھے، شاہ ہاشم بیجاپور کے مشاہیر اولیا سے ہیں، شاہ وجیہ الدین گجراتی کے بھتیجے تھے سنہ ۱۰۵۶ھ میں آپ کا انتقال ہوا ہے۔

ہاشمی نے اپنے مرشد کی فرمائش سے یوسف زلیخا کا فسانہ منظوم کیا ہے، خافی خاں نے اپنی تاریخ میں اور محمد ابراہیم نے ترجمۂ انوار سہیلی کے دیباچہ میں اس کا ذکر کیا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی دکنی لٹریچر میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

یہ مثنوی انقراض سلطنت عادل شاہی سے کم و بیش ایک سال اور شاہ ہاشم کی وفات کے چالیس سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں تمام ہوئی ہے، چنانچہ خاتمہ میں تاریخ اختتام کا اس طرح ذکر آیا ہے

مرتب کیا ہیں یہ قصہ کو تو — ہزار اک برس پر تجھے نودیو تو

اس میں چھ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں اور آغاز اس کا حسب ذیل بیت سے ہوا ہے۔

ثنا احمد اسکوں سزاوار ہے — سگل عشق جس کا یوسار ہے

اس مثنوی کا ایک نسخہ ۱۵۔ ربیع الاول سنہ ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اور دو نسخے جرمن کی اورینٹل سوسائٹی کے کتبخانہ میں محفوظ ہیں۔

ہاشمی نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا جس میں قصائد و غزلیات کے علاوہ مرثیے اور قطعات اور رباعیات بھی تھے۔ یہ مجموعہ اس وقت نایاب ہے لیکن جن لوگوں نے اسے دیکھا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں جسقدر غزلیات ہیں ان کا بیشتر حصہ ریختہ کی بجائے ریختی میں ہے اور اس میں عورت کا عشق مرد کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے۔

تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کا سال وفات سنہ ۱۱۹۰ھ تحریر ہے لیکن یہ تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہاشمی شاہ ہاشم کے مرید اور علی عادل شاہ کے معاصر ہیں اور تاریخ مذکور اس عہد سے سو سال بعد کی ہے، مصنف گل رعنا نے بھی اس غلطی کو محسوس کیا ہے اور بجائے سنہ ۱۱۹۰ھ کے سنہ ۱۰۹۰ھ قرار دیکر اس کی تصحیح کی ہے، لیکن یہ تاریخ بھی غلطی سے مبرا نہیں ہے کیونکہ سنہ ۱۰۹۰ھ کے نو سال بعد سنہ ۱۰۹۹ھ میں ہاشمی نے مثنوی یوسف زلیخا لکھی ہے، حقیقت میں ہاشمی کے انتقال کی صحیح تاریخ سنہ ۱۱۰۷ھ ہے جس کو مصنف کتاب اعراس بزرگاں نے لکھا ہے۔

ابراہیم زبیری نے ہاشمی کا تذکرہ الفاظ ذیل میں تحریر کیا ہے۔

"دیگر از جملہ ہندی گویان آنزمان یکے میاں ہاشمی است کہ بفیض لعاب دہن مبارک حضرت سید شاہ ہاشم قدس سرہ زبان شیرین بیان کشادہ از سخنوران گوئے سبقت ربودہ قصہ یوسف زلیخا را بہ محاورہ آں زمان

بزبان دکھنی نظم نمودہ و دیوان غزل مشتمل بر مضامین سنجیدہ و تلازمات شعریہ ہم دارد کہ مقبول طبائع افتادہ در شعر طرازی نادرہ روشنی غریب ورزیدہ کہ کسی برو سبقت نہ کرد باوجودیکہ بجبر مادرزاد بصیرت چشم بینا ۔

فہرست کتبخانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد دوم صفحہ ۹۶ بساتین السلاطین صفحہ ۳۲۴ منتخب اللباب جلد سوم صفحہ ۳۶ ۔ ترجمہ انوار سہیلی صفحہ ۱۱ روضۃ الاولیاء صفحہ ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن جلد دوم صفحہ ۱۲۰۲ گل رعنا صفحہ ۲۷ لسان العصر جلد اول صفحہ ۱۱۴ ۔

مرزا

ان کا وطن بیجاپور ہے نصرتی اور علی عادل شاہ ثانی (۱۰۶۷ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے معاصر ہیں، صرف مرثئے اور نعت و منقبت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے تمام عمر اپنی زبان کو کسی امیر یا بادشاہ کی مدح و ستائش سے آلودہ نہیں کیا ایک دفعہ علی عادل شاہ نے ان سے اپنی مدح کہنے کی فرمائش کی اور اس پر مکرر اصرار کیا تو مرزا نے ایک دو مرثیے لکھے اور اس اپنے تخلص کے بجائے بادشاہ کا نام درج کر دیا ۔

مرزا نے علی عادل شاہ کے زمانے میں وفات پائی ہے اور ابراہیم زبیری نے لکھا ہے کہ مرزا نے محرم میں دسویں شب مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کی علی الصباح طہارت کے لئے باہر نکلے تو ان کو کسی دشمن نے خنجر سے شہید کر دیا دن نکلے کے جب شہر کے علم اور تعزیے نکلے تو ان کے پیچھے مرزا کا جنازہ بھی نکالا گیا ۔ اور شہر کے باہر شاہ مرتضیٰ قادری کے مقبرے میں ان کی لاش سپرد

خاک کیگئی۔ منتخب اللباب جلد سوم ص ۳۶ بساتین السلاطین، ص ۴۳۳ گل رعنا ص ۲۷

شعرائے دکن

مغلوں کے عہد حکومت میں

دکن کی سلطنتوں کی تباہی اور ملک پر مغلوں کا تسلط

شہنشاہ اکبر (سنہ ۹۶۳ھ تا سنہ ۱۰۱۴ھ) نے پہلے پہل سنہ ۹۹۵ھ میں دکن پر حملہ کیا اور اس کے بعد شاہان مغلیہ کی پے در پے یورشیں ہونا شروع ہوئیں سنہ ۱۰۴۵ھ میں شاہجہان بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ھ تا سنہ ۱۰۶۹ھ) نے فوج کشی کی اور کئی معرکوں کے بعد احمد نگر پر قبضہ کرلیا۔ اورنگ زیب عالمگیر (سنہ ۱۰۶۹ھ تا سنہ ۱۱۱۷ھ) اپنے ایام حکمرانی میں سنہ ۱۰۹۰ھ سے سنہ ۱۰۹۹ھ تک کچھ کم دس برس شاہان دکن کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف رہا سنہ ۱۰۹۷ھ میں بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت پر قبضہ کیا اس کے بعد سلطنت قطب شاہی پر فوج کشی کی اور کامل نو مہینے کی معرکہ آرائی کے بعد ۲۳ ذی القعدہ سنہ ۱۰۹۹ھ کو گولکنڈہ فتح ہوا اور اس ان عظیم الشان سلطنتوں کا خاتمہ ہوگیا۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کے درباروں میں شعرائے اردو کے ساتھ بیحد مراعات کئے جاتے تھے اور انہیں اپنی تصنیفات کے صلہ میں ہزارہا روپیہ انعام ملا کرتا تھا امراء و سلاطین دکن کی قدر دانیوں نے ان میں یہ مذاق پیدا کیا تھا، اس لئے اندیشہ تھا کہ ان حکومتوں کے خاتمہ کے ساتھ اردو

شاعری کا بھی خاتمہ ہو جاتا، مگر نتیجہ اس کے برعکس نکلا سبب اس کا یہ تھا کہ اس زمانہ میں زبان اردو دکن میں عموماً اور مسلمان دکن میں خصوصاً اس قدر عام ہو گئی تھی کہ بات چیت اور لین دین خط و کتابت یہ تمام باتیں اسی زبان میں ہوا کرتی تھیں ایسا شخص شاذونادر ہی نکلتا جو فارسی یا کسی اور زبان کو استعمال کرتا تھا، زبان اردو کے عام ہونے کی وجہ سے تمام ملک میں اردو شعر و شاعری پھیل گئی تھی اور بلا کسی امید صلہ کے تمام ذی استعداد اسکی طرف رجوع ہو گئے تھے۔ اور محض اپنے ذاتی شوق اور رجحان کے باعث اس کو اپنا مشغلہ بنا لیا تھا اور ان سلطنتوں کی تباہی کا اس پر کوئی اثر نہ پڑ سکا اور یہ مذاق سخن اپنی حالت پر برابر قائم اور برقرار رہا۔

مغلیہ تسلط کے بعد دکن میں جن شعرا نے شہرت حاصل کی ہے ان کے نام اور تصنیفات کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

مقیمی

دکنی شاعر ہیں، عالمگیری فتوحات کے زمانہ میں کرناٹک میں گذرے ہیں، ان کی تصنیفات سے دو چھوٹے چھوٹے فسانے موجود ہیں۔

(۱) قصہ چندربدن و ماہ یار۔ ماہ یار ایک مسلمان تاجر کا لڑکا تھا چندربدن۔ راجہ رنگاپتی والی سدر پٹن کی دختر تھی دونوں کے حسن و عشق کا فسانہ اس میں مذکور ہے، مقیمی نے اسے ۱۰۹۵ھ میں نظم کیا ہے، اور تاریخ

اس طرح بیان کی ہے۔

صدی بارھویں ہیں تھے کم سال دو — لکھیا نظم کوں میں نے با طرز نو

ابتدا اس کی حسب ذیل ابیات سے ہوئی ہے۔

خدا کوں سزاوار کبر و منی — کہ قادر ہے قدرت کا صاحب دھنی
جو پھونکیا ہے آدم میں یک روح کوں — سنبھالیا ہے طوفان سے نوح کوں
کیا نار گلزار رب الجلیل — کہ نمرود کے ہاتھ بچیا خلیل

(۲) قصہ سو مہار ۔ یہ ایک غریب دہقان کا فسانہ ہے اور اس میں دیہاتی زندگی کے واقعات بیان کئے ہیں، اس کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوتی ہے۔

ربچا تو خلاق و رحمان ہے — نرنکار بیچوں تو سبحان ہے
اندھیارا کرے اور اجالا ستیں — جو چھپانہ توں وہ کچھو ہو نہیں
فلک ہور زمیں کا ہے یک شاہ توں — بنایا ملک ہور فلک ماہ توں

ڈی ٹاسی جلد اول ص۱۴۵ جلد دوم ص۲۹۱ ۔ اسپرنگر ص۶۲۵ بلوم ہارٹ انڈیا آفس ع۱۰۰ ۔ بلوم ہارٹ نے اس کو عزیز تصنیف بیان کیا ہے۔ اور عزیز کو غواصی شاعر قطب شاہی کا دوست بتاتا ہے بلوم ہارٹ نے یہ باتیں غالباً قصہ چندر بدن حسب ذیل ابیات سے اخذ کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے ان سے بلوم ہارٹ کے بیان کی تائید نہیں ہوتی۔

طبع کی غواصی سے باندھیا ہوں میں — سخن لیکے تھوڑے سے سانڈھیا ہوں لیں
بنایاں سے قصہ کی سن اے عزیز — سخن ہیں یہ موزوں سخن با تمیز

عاجز

سید محمد نام ہے دکن کے رہنے والے تھے، دکنی سلطنتوں کی تباہی اور عالمگیر کی فتوحات کا زمانہ انہوں نے دیکھا ہے، ان کی تصنیفات سے ایک چھوٹی سی مثنوی دکن میں نہایت مقبول اور قصہ ملکہ مصر کے نام سے مشہور ہے اس میں مصر کے بادشاہ فیروز شاہ کی ملکہ کا افسانہ اور اس کے ایک سو سوال مذکور ہیں، عاجز نے اسے ۱۱ صفر ۱۱۱۷ھ کو تمام کیا ہے چنانچہ خاتمہ میں اس کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔

مرتب ہوا یاں سوں قصہ تمام
لکھوں اب تو کس وقت پایا نظام

تھی تاریخ اگیارہ ماہ صفر
سو پنجشنبہ کا روز تھا نامور

سو ہجرت تھی سوں برس یک ہزار
بھی یکسو، سو مسلے بولیا یادگار

ابتداء اس کی ان ابیات سے ہوئی ہے۔

کہوں میں ثنا صفت حق کا اول
بنایا ہے یو سب جگت بے بدل

رکھیا جن معلق پہ ہفت آسماں
چلیا تلے ہے یوں نت زمیں ہور زماں

دیا تا ہے او دیس سب نور سوں
کریں دین جو روشن چندر سور سوں

ڈی ٹاسی جلد اول صفحہ ۱۶۲ بلوم ہارٹ انڈیا آفس نمبر ۲۳۰۷۔ قصہ ملکہ مصر ۱۲۸۱ھ میں بمبئی میں چھپ گیا ہے، ڈی ٹاسی نے لال گوہر کو عاجز دکنی کی تصنیفات میں شامل کیا ہے لیکن شفیق کے تذکرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف الدین عاجز کی تصنیف ہے جو اورنگ آباد کے رہنے والے اور ۱۱۷۰ھ

میں فوت ہوئے ۔

ضعیفی

ان کا نام شیخ داؤد ہے ، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ میں گذرے ہیں ، مسائل فقہ میں انھوں نے ایک کتاب ہدایت ہندی کے نام سے لکھی ہے جو ۱۱۰۰ھ میں تمام ہوئی ہے اس میں چوبیس باب ہیں جن میں طہارت نماز روزہ زکوٰۃ کے مسائل اور دیگر احکام ضروری کو بیان کیا ہے

مصنف نے دیباچہ میں اپنے نام اور تخلص کو اس طرح بیان کیا ہے

لقب اس ہوا شیخ داؤد ناؤں ضعیفی سو اس کے تخلص کا ٹھاؤں

کتاب کا نام اور تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے ۔

جو تاریخ ہجرت ہزار یکسو تیج ہدایت ہندی ہوا یو تو تیج

۱۱۶۵ھ میں شاہ محمد قادری قاضی رام گیر نے خزانہ عبادت کے نام سے فقہ احناف کے احکام و مسائل میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں جگہ جگہ ہدایت ہندی کے حوالے درج ہیں ۔

یہ مثنوی ۱۲۸۶ھ میں مدراس میں چھپ گئی ہے

ذوقی

ان کا نام شاہ حسین اور لقب بحر العرفان ہے اورنگ زیب کے معاصر ہیں ۱۱۰۹ھ میں انھوں نے حسن و دل کو منظوم کیا اور وصال

العاشقین اس کا نام رکھا ہے ۔ اس کے خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ
کہ شاہ صاحب نے اس سے پہلے بھی نظم میں کئی رسالے لکھے ہیں مثلاً
معراج نامہ ۔ وفات نامہ ۔ منصور کا قصہ وغیرہ ۔

اردو جلد پنجم ص۴۹۹

بحری

دکن کے ایک صوفی مشرب بزرگ تھے ان کا نام قاضی محمود ہے
والد کا نام بحر الدین تھا اور وہ قاضی دربار کے لقب سے مشہور تھے قصبہ
گوگی جو نصرت آباد کے مضافات میں واقع ہے ان کا وطن تھا ۱۰۹۵ھ
کے قریب اپنے وطن سے بیجاپور چلے گئے تھے اور وہاں سکندر عادل شاہ
ان کا معتقد ہو گیا تھا ، اس کے دربار میں سال دو سال مقیم رہے اور
جب بیجاپور کی سلطنت ۱۰۹۷ھ میں تباہ ہو گئی تو وہاں سے حیدرآباد چلے
آئے فارسی اور دکنی زبانوں میں مثنویات غزلیات ، رباعیات اور قصائد
کا بہت بڑا ذخیرہ آپ نے تصنیف کیا تھا جن کے اشعار پچاس ہزار کے
قریب تھے ۔ بیجاپور سے حیدرآباد آتے ہوئے راستہ میں رہزنوں نے آپ
کا مال و اسباب لوٹ لیا اس میں یہ ذخیرہ بھی تلف ہو گیا ، قاضی صاحب
نے یہ واقعات عروس عرفان کے خاتمہ میں بیان کئے ہیں اور ان کے خاص
الفاظ یہ ہیں ۔

" سکندر عادل خاں کہ ختم والیان بیجاپور ست چندے صحبت ہا اتفاق شدہ

بود بیش و ے یک دو سال اقامتے میداشتم۔
مثنویات و غزلیات و رباعیات و قصائد وغیرہ در معارف بزبان دکھنی و فارسی قریب پنجاہ ہزار بود۔ بعد انقراض حکومت بیجاپور ہمہ اسبابہائے بیش قیمت را کہ سکندر عادل خاں بیجاپوری جہت نذر دادہ بجیدرآباد روانہ کردم درراہ قطاع الطریق آں اسبابہا را تلف نمودند ہمراہ نیز ذخیرہ کلام ہم تلف شد۔

قاضی صاحب نے تصوف میں ایک مثنوی لکھی ہے جس کا نام من لگن ہے، یہ مثنوی اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں اس کی وفات سے سات سال پہلے ۱۱۱۲ھ میں تمام ہوئی ہے۔ چنانچہ خاتمہ میں اس کی تاریخ کا اس طرح ذکر آیا ہے۔

ہجری تھی یہی گنگ برس تھے   بارا اُپر ایک سو سہس ہزار تھے

بعض مریدوں کی فرمائش سے قاضی صاحب نے من لگن کے مضامین فارسی میں لکھے اور اس کا نام عروس عرفان رکھا یہ کتاب ۱۱۱۶ھ میں تمام ہوئی ہے۔

من لگن میں مشکل اور عسیر الفہم الفاظ کثرت سے آئے ہیں، شاہ اسمٰعیل بن شاہ احمد القادری الملتانی بن سید محمد بن سید نور الحسن الباقری الورنگلی نے نواب شہامت جنگ بہادر کے ایما سے اس کے تمام مشکل و مغلق الفاظ کا حل لکھا ہے اور اس کا نام ارت من لگن رکھا ہے۔

مذکورۂ بالا حالات من لگن خاتمہ عروس عرفان و دیباچہ ارت

من لگن سے ماخوذ ہیں، من لگن مدراس اور بنگلور میں کئی بار چھپی ہے۔

مدراس ۱۲۷۹ھ و ۱۳۰۷ھ بنگلور ۱۳۱۱ھ و ۱۳۳۵ھ

عشرتی

ان کا نام سید محمد اور والد کا سید یوسف حسینی ہے، حیدرآباد کے رہنے تھے اور رنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گزرے ہیں، اور ملک محمد جائسی کی پدماوت کو فارسی میں ملخص کیا ہے اور "گلے ختمی" سے اس کی تاریخ نکالی ہے

بہار افروز دل شد چوں کلامش　　گلے ختمی ست تاریخ تمامش

دکنی زبان میں بھی انہوں نے دو مثنویاں یادگار چھوڑی ہیں دیپک پتنگ، اور چیت لگن پہلی کتاب ۱۱۴۸ھ کے حدود میں لکھی گئی ہے اور ہماری نظر سے گذری ہے، اس کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

الٰہی تو سرجیا زمین ہور زماں　　دیپایا سورج جوت توں آسماں

فلک کوں سنذکایا توں گردش کا چال　　مہ نس میں لایا چندر کا ہلال

رین کھن کا منڈوا سنوارے نام　　انکھوران کے جھوبکے ستارے تمام

عشرتی کے پوتے سید علی نے ۱۱۶۹ھ میں گلشن احسان کے حاتم کا فسانہ منظوم کیا ہے اس کے دیباچہ میں اپنے دادا کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں۔

کروں نام سید محمد کا یاد　　سیادت کے گھر کا ہے ذات العماد

تصانیف نظم و نثر فارسی　　بہت اس سوں ہے عقل کی آرسی

ہے دکنی میں دیک پتنگ جیت لگن دو قصے کہ ہیں ہیں وہ عالی سخن
تخلص سا ہے مشہور اسے عشرتی معارک سخن کا تھا خود نصرتی

مجرمی

یہ بھی عہد اورنگ زیب کے شاعر ہیں بیجاپور کے رہنے والے تھے ۱۱۴۱ھ میں حسن و دل کو منظوم کیا اور گلشن حسن و دل اس کا نام رکھا ہے خاتمہ میں تاریخ تصنیف اس طرح مذکور ہے۔

یو بارھویں صدی میں یو قصہ تمام جو چودا برس میں ہوئے تھے تمام

مثنوی کا آغاز ابیات ذیل سے ہوا ہے۔

جتا حمد ہے سو خدا کو بچ ہے ثنا ہور صفت بھی اسی کو بچ ہے
جو درگاہ اس کی اہے بے نیاز اپس سوں اپیں سا ہے وہ بے نیاز

ہنر

سید احمد نام ہے سید محمد عشرتی کے فرزند تھے انہوں نے دکنی میں دو مثنویاں لکھی ہیں۔ نیہ درپن اور اذنارین۔ نیہ درپن ہم نے دیکھی ہے یہ مثنوی ۱۱۴۴ھ میں تمام ہوئی ہے۔ اس میں راجہ راجکنور اور رانی کملتا دیوی کا فسانہ مذکور ہے۔ ہنر نے اسے ابن نشاطی کی پھولبن کے جواب میں لکھا ہے، چنانچہ دیباجہ میں کہتا ہے۔

بنایا پھولبن ابن نشاطی متھی باس اسکی سب کے تیں خوش آتی

جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن | ہے سچ وہ عشق کے انکھیاں کا انجن
لے اس سے اگر نا پائے بہتر | برابر تو یقین جانے تمت

خاتمہ میں تاریخ تصنیف کو اس طرح بیان کیا ہے۔

ستیا مج نیہ درپن نے یو جھیل کار | اگیارہ سو پو تھے چالیس پہ چار

نیہ درپن کی ابتدا ابیات ذیل سے ہوئی ہے۔

الٰہی۔ یا النبی، یا الٰہی | تجھے ساجے جگت کی بادشاہی
تکبر ہور منم ہے تج سزاوار | کہ نیں کوئی دوسرا تج سا کرتار

ولی دکھنی

سید محمد فیاض ان کا نام ہے، ملا محمد باقر آگاہ نے مرأۃ الجنان کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ ویلور ان کا وطن تھا، عالمگیر کے زمانہ میں گزرے ہیں دکن میں سات گڈھ ایک تاریخی مقام ہے وہاں حراست خاں نام ایک امیر رہا کرتا تھا، ولی عرصہ تک اس رفاقت میں رہے پھر وہاں سے نکل کر کڑپہ میں چلے آئے۔ یہاں کے صوبہ دار نواب عبد المجید خاں تھے انہوں نے ولی کی قدر دانی کی اور ملازمت دیکر سدھوٹ میں تعینات کردیا۔ یہ واقعات ولی نے رتن پدم کے دیباچہ میں لکھے ہیں۔

حراست خاں امیر ایک نامور تھا | سکونت گاہ اس کوں سات گڈھ تھا
اتھا او اہل درد و نیک اعمال | رفاقت میں اتھا میں اسکے خوشحال
قضارا واں سوں ہو قسمت سوں برخاست | سو آیا میں طرف کڑپہ کے دھر خواست

نواب عبدالمجید ابن عبدالحمید ایک　　اتھا واں نامور صوبہ سعید ایک
سواد نجر شجا پر دانہ تکھ کر　　بسلک نوکراں میں منسلک کر
تعین کر مجکوں سدہوٹ کو روانہ　　کیا او صاحب شنیریں زمانہ
سو حسب الحکم سدہوٹ کو آیا　　رنگا رنگ داں تماشے میں نے پایا

ولی کی تصنیفات سے اس وقت دو کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) قصۂ رتن و پدم۔ اس کو ولی نے سدھوٹ میں لکھا ہے، اس کا جو نسخہ توپ خانے کے کتب خانے میں موجود تھا اس کے چار سو صفحہ تھے اور جس میں کم و بیش چار ہزار ابیات تھے اس کی ابتدا حسب ذیل بیت سے ہوئی ہے۔

خدایا تو ہے پاک پروردگار　　نرکار و آتار و آچھی آمتار

کتاب میں مختلف مقامات پر مصنف نے اپنا تخلص بیان کیا ہے منجملہ ان کے دو مختلف مقام یہ ہیں۔

ولی تیرے کرم کی ہے مجھے آس　　نہ کر آس آس سوں ہرگز تو بنراس

ولی ہے یو سبب خالی بہانہ　　اسی کا کام ہے دہنا دلانا

(۲) روضۃ الشہدا۔ اس میں ولی نے واقعات کربلا منظوم کئے ہیں ضخیم کتاب ہے اور سنہ ۱۱۱۹ھ میں تصنیف ہوئی ہے۔

کیا ہوں جب ختم یو درد کا حال　　اگیارہ سو یو تھا انیسواں سال

ڈاکٹر ابیتھے نے روضۃ الشہدا کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور

اس کے مضامین کی فہرست بھی نقل کی ہے جو ذیل میں درج ہے۔

مجلس اول ۔ ذکر وفات جناب رسالتمآب صلعم

مجلس دوم ۔ ذکر وفات سیدۃ النساء جناب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام۔

مجلس سوم ۔ ذکر وفات حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ

مجلس چہارم ۔ ذکر خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام ۔

مجلس پنجم ۔ ذکر تولد حضرت امام حسین علیہ السلام ۔

مجلس ششم ۔ ذکر شہادت فرزندان حضرت مسلمؓ ۔

مجلس ہفتم ۔ روانگی حضرت امام حسین از مکہ معظمہ سوئے دشت کربلا ۔

مجلس ہشتم ۔ ذکر شہادت محبان و برادران جناب سید الشہدا علیہ السلام ۔

مجلس نہم ۔ ذکر شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام ۔

مجلس دہم ۔ بقیہ حالات شہادت جناب سید الشہدا امام حسین علیہ السلام

ان کے علاوہ ولی نے ایک مناجات بھی لکھی ہے جس کے پچیس بند ہیں اور ہر بند میں چار مصرعہ ہیں جن سے انتخاب کر کے تین بند ہم درج ذیل کرتے ہیں

یا الٰہی توں بحق مصطفٰے ہور مرتضٰے
فاطمہ خاتون جنت ہور شاہ کربلا

عاقبت توں خیر کرنا عرض ہے میری سدا
یا صاحب عرش بریں منجھ حال پر احسان کر

یا الٰہی زہد و تقویٰ نئیں ہوا منجھ ہات سوں
کچھ عبادت ہور ریاضت میں ہوا منجھ ذات سوں

سر بسر ہوں منفعل اس کام ہور اس بات سوں
یا غفور المجرمیں منجھ حال پر احسان کر

یا الٰہی از طفیل انبیا، ہور اولیا، | غوث ہور اقطاب ہیں جتنے یہاں کے اصفیا
آبرو رکھ دو جہاں میں ہے ولی کا التجا | ہے او بندہ کمترین منجہ حال پر احسان کرو

اسپرنگر صفحہ ۴۶۱ اینتھے نمبر ۱۶۲ دیباچہ ریاض الجنان حصہ ۳ روضۃ الشہدا بمبئی میں ۱۲۹۱ھ میں چھپ گئی ہے۔

وجدی

صوبہ اورنگ آباد کی سرکار دھارور میں کیج نامی ایک قصبہ آباد ہے وجدی اسی قصبے کے رہنے والے تھے، ان کا نام ہدایت اللہ خان ہے۔ وطن میں طبابت کیا کرتے تھے مشرب صوفیانہ تھا۔ دکنی زبان میں ان کی تصنیفات سے تین مثنویاں موجود ہیں۔

(۱) مخزن عشق۔ یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ وجدی نے اسے شاہ صادق اورنگ آبادی کی فرمائش سے ۱۱۴۵ھ میں تصنیف کیا ہے اصل اس کی فارسی ہے اور دیباچہ میں تاریخ اختتام کو اس طرح بیان کیا ہے۔

یو ہے بیان خاتمہ جی تشکر سوں بولیا ہوں میں
تاریخ جس کے ختم کا آیا ہے "باغ جاں فزا"

(۲) پنچھی باچھا۔ شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی منطق الطیر کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ اس کو خاتمہ میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اصل میں یو تھا کلام فارسی | اہل معنی کو مثال آرسی

خوش ترین تصنیف شیخ نامدار　　　پیشوائے عارفان روزگار
شیخ صاحب دل فرید نامور　　　خاص جن کا ہے لقب عطار کر
تھا وے جوں فارسی میں یو کلام　　　کم سمجھ سکتے تھے اس کو خاص وعام
گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس　　　کان مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس
لیکن اس کے دیکھ کر دلچسپ بول　　　یک بیک یوں دل منے آیا کھول
جو موافق فہم اپنے کے ضعیف　　　اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کو دکنی زباں میں لے کے آوں　　　تا ہے دنیا منے میرا بھی ناؤں

پروفیسر ڈی ٹاسی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۲۷ھ میں اختتام کو پہنچی ہے بلبیوتھیک ڈرمارگن لیا نڈش کیشل شافٹ میں اس کا جو نسخہ ہے اس سے ۱۱۵۰ھ میں تصنیف ہونا ظاہر ہوتا ہے لیکن ہم نے اس کے جسقدر قلمی نسخے دیکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۴۶ھ میں تصنیف ہوئی ہے اور ان نسخوں کے خاتمے میں تاریخ کا حسب ذیل شعر تحریر ہے

جب کیا تاریخ کا دل میں حساب　　　تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب
۱۱۴۶

(۱۳) مثنوی تحفۂ عاشقاں - شیخ فریدالدین عطار کی مثنوی گل و ہرمز کا ترجمہ ہے جو خسرو نامہ یا خسرو و گل بھی کہلاتی ہے

قضا را دسیا مجگوں یک بار کا　　　گل و ہرمز اُس شیخ عطار کا
ہوا شوق پیدا مجھے بعد ازاں　　　کہ دکنی زباں سوں کروں ترجماں

یہ مثنوی ۱۱۵۳ھ میں ختم ہوئی ہے اور خاتمہ میں اس کی تاریخ اس طرح مذکور ہے۔

دسے اس کی تاریخ مجکوں عیاں
پچھانو اسے تحفۂ عاشقاں

اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے۔

کروں پاک دل ہور زباں پاک سوں
ثنا پاک اس عاشق پاک کوں

ڈ ٹاسی جلد دوم صـ۲۲۶ فہرست کتب خانہ جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد سوم صـ۶۷ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صـ۱۳

یہ مثنوی بار چھپا بمبئی اور مدراس ہیں کئی بار چھپا ہے بمبئی ۱۲۸۰ھ ۱۳۱۹ھ مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۳۱۴ھ بمبئی کے نسخے اصلاح شدہ اور کسی قدر آخر ہیں کم ہیں مدراس کا ۱۲۷۲ھ کا چھپا ہوا نسخہ نہایت صحیح کامل اور قلمی نسخوں سے مطابق ہے۔

آزاد

فقیر اللہ نام ہے، حیدر آباد کے باشندے تھے۔ فراقی دکنی کے ہمراہ دہلی گئے تھے، ولی اورنگ آبادی کے ہمعصر ہیں، ولی نے ان کی غزل پر غزل لکھی ہے چنانچہ ایک شعر یہ ہے۔

آزاد سے سنیا ہوں یہ مصرعہ مناسب
جس سے کر بار ملتا ایسا ہنر نہ آیا

آزاد کا شعر یہ ہے

سب صنعتیں جہاں کی آزاد ہمکو آئیں
پر جس سے ملتا ایسا ہنر نہ آیا

میر تقی میر صـ۱۱ میر حسن صـ۱۳ گل رعنا صـ۸۸

ولی بیجاپوری

بیجاپور ان کا وطن ہے، محمد شاہ بادشاہ کے معاصر تھے انہوں نے پیر ہرات خواجہ عبد اللہ انصاری کے اقوال کو دکنی میں نظم کیا اور تنبیہ نامہ اس کا نام رکھا ہے اس میں گیارہ سو بیس ابیات ہیں اور ۱۱۵۰ھ میں تمام ہوا ہے، کتاب کا نام: تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں مذکور ہے۔

گیا بعد ازاں سن کے تئیں جب قیاس | ہوئے سن گیارہ سو اوپر پچاس
یہ تنبیہ نامہ کیا جب تمام | نبی کے اسم سے کیا اختتام
الٰہی ولی کے تئیں بخش اب | کر اس کے گناہوں کو ناچیز سب

ابتدا اس بیت سے ہوئی ہے۔

خداوند شاہنشہ برقرار | وہ سبحان سب کا ہے پروردگار

صنعتی

دکنی شاعر اور محمد شاہ بادشا کے معاصر ہیں، ساگران کا وطن ہے شاہزادۂ مصر اور دختر فغفور کے عشق و محبت کی داستان دکنی میں نظم کی ہے یہ ایک ضخیم مثنوی ہے۔ ۱۷ ذی القعدہ ۱۱۵۹ھ کو تمام ہوئی ہے اور گلدستۂ عشق اس کا نام ہے، تاریخ تصنیف اور مصنف کا تخلص ابیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

کہوں اس کی تاریخ میں اب بیاں
رہو شاد سن کر ہیں عاقلاں
سنو کان دھر سن اول ہجرتی
"یو ہدیا دیا دل لگت صنعتی"
انتھا شہر ذوالقعد ستر انتمام
سٹیا مشتری خوش تھا مند پو کام
محباں کے حق میں دعا منگ شتاب
ارے صنعتی کر توں ختم کتاب

ابتدا اس کی اس بیت سے ہوئی ہے۔

ہوں اول صفت کہتا سبحان کا
رنچیا کن سے جن کل ہے منڈان کا

یہ مثنوی قصہ فغفور چین کے نام سے ۱۳۲۶ھ میں بمبئی میں چھپی ہے۔

شعرائے اورنگ آباد

اورنگ آباد۔ دکن کے شمالی خطہ کا ایک مشہور شہر ہے، گیارہویں صدی سے پہلے اسکی حیثیت ایک معمولی قصبہ کی تھی اور کھرکی اس کا نام تھا۔ شاہ جہاں بادشاہ (سنہ ۱۰۳۷ تا ۱۰۶۹ھ) کے ساتھ جب ملک عنبر کی لڑائیاں شروع ہوئیں تو ملک عنبر نے اس مقام کو اپنا مرکز قرار دیا اس زمانہ سے اس کی رونق بڑھنے لگی اور رفتہ رفتہ شہر کی حیثیت پیدا ہوگئی نظام شاہیوں کی تباہی کے بعد جب بالاگھاٹ پر مغلوں کا قبضہ ہوگیا تو یہ مقام بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔

اورنگ زیب جب دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو اس نے کھرکی کو اپنا صدر مقام قرار دیا اور اس کا نام اورنگ آباد رکھا[1] اس کے بعد اورنگ زیب کی عمر کا بیشتر حصہ اسی شہر میں بسر ہوا اور ایک عرصہ تک یہ شہر سلطنت

[1] ہسٹاریکل ڈسکرپشو جلد دوم ص۲۰۱

مغلیہ کا مرکز حکومت بنا رہا، اس تقریب سے ہندوستان اور دہلی کے بڑے بڑے امراء اور علماء و مشائخین جنکو شاہی دربار سے کسی قسم کا بھی واسطہ تھا اورنگ آباد چلے آئے قریب قریب اسی زمانہ میں بیجاپور و گولکنڈہ کی سلطنتیں تباہ ہوئیں اور یہاں کے باشندے بھی پریشان منتشر ہو کر اورنگ آباد کی جانب متوجہ ہوئے، ان اسباب نے کچھ عرصہ کے لئے اورنگ آباد کو اردو شاعری کا مرکز بنا دیا اور یہاں سے اس عرصہ میں بہت سے اردو گو شعراء پیدا ہوئے جن کے حالات سید عبد الولی عزلت کی بیاض، لچھمی نارائن شفیق کے چمنستان شعراء، میر بہاء الدین عروج کے بہار و خزاں اور محمد افضل قاقشال کے تحفۃ الشعراء میں تحریر ہیں اور ان سے اخذ کر کے اگر ان شعراء کا تذکرہ لکھا جائے تو خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن ہم نے بہ نظر اختصار صرف ان شعراء کا حال درج کیا ہے جنھوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

ولی اورنگ آبادی

ولی کے نام اور وطن کی نسبت تذکرہ نویسوں نے سخت اختلاف کیا ہے، میر حسن دہلوی، مرزا علی لطف اور عبد الغفور خاں نساخ نے ان کا نام ولی اللہ لکھا ہے، نواب علی ابراہیم خاں اور یوسف علی مرشد آبادی کے تذکروں میں شمس ولی اللہ تحریر ہے، مولانا آزاد نے اسی قول کی اتباع کی ہے لیکن ان کا صحیح نام جیسا کہ لچھمی نارائن شفیق اور

فتح علی گردیزی نے لکھا ہے محمد ولی ہے، نواب علی ابراہیم خاں، یوسف علی، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، فتح علی گردیزی اور غیاث الدین قیام نے ولی کو دکن کا باشندہ بیان کیا ہے، میر حسن دہلوی، قدرت اللہ قاسم عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے گجرات کو ان کا وطن قرار دیا ہے اور اس کے ثبوت میں ابراہیم سایانی نے ولی کا حسب ذیل شعر پیش کیا ہے

ولی ایران و توران میں ہے مشہور وطن گو اس کا گجرات و دکن ہے

لیکن حقیقت میں یہ شعر اس طرح پر صحیح ہے۔

ولی ایران و توران میں ہے مشہور اگرچہ شاعر ملک دکن ہے

لچھمی نارائن شفیق اور میر تقی میر نے بیان کیا ہے کہ اورنگ آباد ان کا وطن ہے، اور شفیق نے نہایت شد و مد کے ساتھ ان کے گجراتی ہونے کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ۔

"مردماں نسبت او بہ گجرات دادند غلط محض است"

حکیم قدرت اللہ خاں قاسم۔ عبدالغفور خاں نساخ اور مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ ولی شیخ وجیہ الدین گجراتی کی اولاد سے ہیں لیکن اس کی کوئی تاریخی سند نہیں بیان کی ہے برخلاف اس کے لچھمی نارائن کا بیان ہے کہ ولی نے گجرات میں آکر شیخ وجیہ الدین گجراتی کی درگاہ میں علم کی تحصیل کی، وہاں سے سورت گئے سورت سے بیت اللہ کا سفر کیا اور وہاں سے واپس آکر احمد آباد میں فوت ہوئے، لوگوں نے نیلی گنبد میں دریا خاں کی گنبد کے قریب، مدفون کیا اکثر تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق بیان کیا ہے کہ ولی نے دہلی کا بھی سفر

کیا تھا لیکن یہ سفر کس عہد میں واقع ہوا تھا اس میں اختلاف ہے۔ مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا اس کو عہد محمد شاہ کا واقع بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے یہاں اس کی کوئی سند نہیں ہے برخلاف اس کے قدیم تذکروں سے ولی کا عالمگیر کے عہد میں دہلی آنا ثابت ہوتا ہے اور میر حسن دہلوی، نواب علی ابراہیم خاں، یوسف مرشد آبادی، مرزا علی لطف اور عبدالغفور خاں نساخ نے اس کو نہایت وثوق کے ساتھ لکھا ہے۔

قائم اپنے تذکرے میں بیان کرتے ہیں۔ عالمگیر کے چوالیسویں سال جلوس میں جو ۱۱۱۲ھ کے مساوی ہے ولی اپنے دوست سید ابوالمعالی کے ساتھ دلی میں آئے، چنانچہ ان کی اصل عبارت یہ ہے۔

"درسن چہل و چہار از جلوس عالمگیر بادشاہ ہمراہ سید ابوالمعالی نام سید پسرے کہ دلش فریفتۂ او بود بشاہجہاں آباد آمد"

ولی کا سن وفات فرہنگ آصفیہ میں ۱۱۰۰ھ اور تذکرۂ شعرائے دکن میں ۱۱۵۵ھ تحریر ہے ان میں آخر الذکر تاریخ یقیناً غلط ہے کیونکہ ہم نے دیوان ولی کا ایک قلمی نسخہ دیکھا ہے جو ۵ جمادی الاول ۱۱۴۳ھ میں بمقام احمد آباد مکتوب ہوا ہے اور اس کے خاتمہ پر تحریر ہے "تمام شد دیوان ولی رحمتہ اللہ علیہ" اور اس جملہ سے ثابت ہے کہ ولی نے ۱۱۴۳ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

مولانا آزاد اور مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ ولی نے دیوان کے علاوہ تصوف میں بھی ایک رسالہ نور المعرفت لکھا ہے لیکن وہ ناپید ہوگیا

ہے، اس وقت صرف دیوان ملتا ہے جس میں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے آخر میں پند مستزاد مخمس، ترجیع بند، اور دو تین چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں۔ پروفیسر ڈی ٹاسی نے دیوان کو ۱۸۳۴ء میں بمقام پیرس نہایت اہتمام سے چھپوایا ہے، اس کے بعد ۱۸۷۸ء میں بمقام لکھنؤ مطبع منشی نولکشور میں چھپا، قریب قریب اسی زمانہ میں اس کا ایک اور ایڈیشن بمبئی میں شائع ہوا، لیکن یہ سب ایڈیشن اس وقت کمیاب ہیں حال میں ابراہیم سایانی نے جو دکن کالج پونہ میں فارسی کے اسسٹنٹ لکچرار ہیں اس دیوان کو دہلی میں چھپوا کر شائع کیا ہے اور اس کی ابتدا میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے، جس میں ولی کے حالات اور اس کی شاعری پر تبصرہ تحریر ہے۔

تذکرہ شعرائے دکن اور گل رعنا کے مصنفین نے روضۃ الشہدا، کو ولی اورنگ آبادی کی تصنیفات میں شمار کیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ولی دکھنی کی تصنیف ہے اور اس کا تذکرہ ہم نے اس سے پیشتر تحریر کر دیا ہے۔

ڈی ٹاسی جلد سوم ص۲۸۱ تذکرہ یوسف علی مرشد آبادی اسپرنگر ص۲۸۰ میر تقی ص۹۵ میر حسن ص۲۰۴ سخن شعرا ص۵۵۶ گلشن ہند ص۱۷۵ گلشن بیخار ص۲۲۷ گلستان بیخزاں ص۲۸۱ تذکرہ شعرائے دکن ص۱۱۲۷ گل رعنا ص۸۲ آب حیات ص۸۰ چمنستان شعرا نسخہ قلمی موجود کتب خانہ آصفیہ

داؤدُ

مرزا داؤد نام۔ اورنگ آباد وطن ہے، ولی کے معاصر ہیں سنہ ۱۱۶۸ھ میں انتقال کیا ہے لچھمی نارائن شفیق نے انکے حالات اپنے تذکرہ میں ان کے فرزند مرزا جمال اللہ عشق کی زبانی لکھے ہیں اور وفات کی تاریخ بھی لکھی ہے جس کا مادہ تاریخ یہ ہے۔

گو برفتہ میرزا داؤد فانی از جہاں

ان کا ایک چھوٹا سا دیوان ہماری نظر سے گذرا ہے جس میں کم و بیش پانچسو اشعار ہیں جن سے انتخاب کر کے ہم ذیل تین شعر نقل کرتے ہیں۔

اس صنم کے خیال ابرو نے ۔۔۔ ناتواں مجکو جوں ہلال کیا

مرا احوال چشم یار سے پوچھ ۔۔۔ حقیقت درد کی بیمار سے پوچھ

چاند کی سیر کو کس طرح نکلے وہ صنم ۔۔۔ دیکھنے منہ کا تماشا آفتاب آتا نہیں

میر تقی میر ص ۱۱۱ سخن شعرا ص ۱۵۷ گل رعنا ص ۹۴ تذکرہ شعرائے دکن ص ۲۲۶

سِراج

سید سراج الدین نام ہے اورنگ آباد کے مشائخین سے تھے سنہ ۱۱۷۷ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے میر تقی اور میر حسن نے اپنے تذکروں میں لکھا ہے کہ یہ حمزہ دکنی کے شاگرد تھے لیکن جو تذکرے اہل اورنگ

آباد نے لکھے ہیں ان میں اس کا تذکرہ نہیں ہے اور نہ خود آزاد نے اس کا کہیں ذکر کیا ہے۔

سراج نے اردو اور فارسی کے دو دیوان اپنی یادگار چھوڑے ہیں، جس میں غزل، قصیدے، رباعی، مستزاد، واسوخت، جملہ اصناف سخن موجود ہیں بوستان خیال کے نام سے ایک مثنوی بھی لکھی ہے جو ۱۱۷۳ھ میں تمام ہوئی ہے اس کے علاوہ اپنے دواوین کا ایک انتخاب ۱۱۵۱ھ میں مرتب کیا ہے، یہ انتخاب جب تمام ہوا ہے تو ان کی عمر ۲۴ سال کی تھی اور اس حساب سے ۱۱۲۷ھ ان کا سن ولادت ثابت ہوتا ہے، سراج نے ایک غزل میں منتخب دیوان کی تاریخ و ترتیب اور عمر کو اس طرح بیان کیا ہے،

جب کیا جزو پریشان سخن شیرازہ بند ۔۔۔ تھے برس چوبیس میری عمر بے بنیاد کے
سال ہجری تھے ہزار و یکصد و پنجاہ و یک ۔۔۔ واقف علم لدنی صاحب ارشاد کے
اے سراج اس منتخب دیوان کے سب ریختے ۔۔۔ خامہ مژگاں خوباں سیق ہیں قابل صاد کے

میر حسن صـ۱۰۰ میر تقی صـ۱۶ گل رعنا صـ۸۹ سخن شعرا صـ۲۱۳ تذکرہ شعرائے دکن صـ۴۸۲ لسان العصر جلد اول نمبر ۵ صـ۳۲

دہلی میں زبانِ اُردو

اردو زبان نے دکن میں نویں صدی سے پہلے ادبی صورت حاصل کر لی تھی اور اس میں اسی زمانہ سے تصنیف و تالیف کا آغاز ہو گیا تھا برخلاف اس کے ہندوستان میں بارھویں صدی کے آغاز تک یہ زبان محض

بات چیت اور لین دین تک محدود تھی۔ مولانا جمالی[1]۔ ملا نوری[2] اور شیخ سعدی[3] وغیرہ نے اگرچہ ایسے اشعار کہے ہیں جو آدھے فارسی اور آدھے اردو میں ہیں لیکن باقاعدہ اور علمی شاعری نہ تھی اس لئے ہم اسے اردو شاعری کا سنگ بنیاد نہیں کہہ سکتے۔

شاہجہاں بادشاہ (۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۹ھ) کا عہد اردو کے لیے مبارک عہد تھا اس عہد میں اردو زبان بات چیت سے گزر کر خط وکتابت تک ترقی کر چکی تھی۔ یہاں تک کہ خود بادشاہ بھی ضرورت کے وقت اس میں خط وکتابت کیا کرتے تھے جس زمانہ میں شجاع اور اورنگ زیب برسر پیکار تھے تو شاہ جہاں نے ایک شقہ شجاع کو لکھا۔ یہ شقہ کسی طرح اورنگ زیب کو مل گیا اور اس کی بنیاد پر اورنگ زیب نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس میں لکھتا ہے۔

آں فرمان عالی کہ در زبان ہندی از دستخط خاص رقم فرمودہ شاہد ایں معانی است[4]

عالمگیر اورنگزیب (۱۰۶۹ھ تا ۱۱۱۸ھ) کے رقعات فارسی میں ہیں لیکن ان میں کثرت سے اردو الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً

"درار سال ڈالی انبہ بہ تلافی مافات کوشند"

"دریں ضمن کرسیٔ کچکڑہ بنیر بہ نظر گذشت"

"مزہ کھچڑی بریانی شما در زمستان یاد می آید"

---

[1] مولانا جمالی شہنشاہ بابر کے معاصر تھے ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے دہلی میں انکا مزار ہے

[2] ملا نوری اعظم پور کے باشندے تھے اکبر کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ملا فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے۔ میر حسن نے ان کا ایک شعر نقل کیا ہے جو آدھا اردو اور آدھا فارسی ہے۔

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد — بیچارہ نوری نہ کہے ہے نہ ڈرے ہے

[3] شیخ سعدی۔ ان کیلئے ضمیمہ اول دیکھئے [4] عالمگیر کا یہ عرضداشت دستور العمل آگہی میں موجود ہے۔

" وچہار گھڑی روز ماندہ بازدیوان عام می فرمودند
" شادیانۂ فتح بنوازند وحرف ایام طفولیت یاددارند کہ باباجی دھوں دھوں

اس زمانہ میں دربار و اہل دربار کی زبان فارسی تھی، سلطنت کا دفتر فارسی میں تھا، تصنیف و تالیف خط و کتابت فارسی میں ہوا کرتی تھی باوجود اس کے شاہ جہاں کا کالادو میں شقہ لکھنا اور عالمگیر کا اپنے رقعات میں اردو الفاظ استعمال کرنا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اردو زبان میں اس زمانہ میں ملک کی عام زبان ہو گئی تھی، بازار سے شاہی محلات تک خاص و عام اس کو بولتے اور سمجھتے تھے۔

عالمگیر کے عہد میں لغات اردو کی تدوین

قریب قریب اسی زمانہ میں اہل ہندوستان کو اردو لغات کی ترتیب و تدوین کا خیال پیدا ہوا ملا عبدالواسع ہانسوی نے رجن کی قواعد فارسی اور گلستاں بوستاں کی شرحیں نہایت مشہور ہیں) عالمگیر کے زمانہ میں اردو ہندی الفاظ کا ایک لغت مدون کیا اور اس کا نام غرائب اللغات رکھا الفاظ کے معنی فارسی میں لکھے، ایک عرصہ کے بعد سراج علی خاں آرزو المتوفی ۱۱۶۹ھ نے اس کی نظر ثانی کی، بہت سے الفاظ اور معانی اضافہ کئے، غلطیاں درست کیں اور اسے نوادر الالفاظ کے نام سے موسوم کیا[1]

فارسی شعرا اور اردو زبان

عالمگیر کے زمانہ سے دلی میں اردو شعر گوئی نے رواج پایا اور اس جانب سب سے پہلے فارسی شعرا نے توجہ کی موسوی خان فطرت[2]

---

[1] ریو جلد دوم صفحہ ۵۰۱ جلد سوم صفحہ ۹۹۷ و صفحہ ۱۰۳ و صفحہ ۱۰۷

[2] میرزا معزالدین محمد موسوی خان فطرت مشہد مقدس ان کا وطن ہے ۱۰۹۲ھ میں (آئندہ صفحہ پر)

مرزا عبدالقادر بیدل[1]، مرزا عبدالغنی قبول[2] وغیرہ وغیرہ فارسی کے نامور شاعر تھے لیکن کبھی کبھی تفریح خاطر اور تفنن طبع کے لئے اردو میں بھی دو چار شعر لکھ لیا کرتے تھے۔ تھوڑے عرصہ تک یہی کیفیت رہی محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں جلوس کے دوسرے سال ۱۱۳۳ھ میں ولی کا دیوان دکن سے دہلی میں آیا، اہل دہلی نے اس کی خوب قدر کی اس قبولیت عام کو دیکھا تو بہت سے اشخاص شعر گوئی کی جانب متوجہ ہو گئے[3] اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستان کے پایہ تخت میں شعرائے اردو کا گروہ پیدا ہو گیا منجملہ ان کے جن شعرا نے شہرت حاصل

بقیہ صفحہ گذشتہ) ولایت سے ہندوستان میں آئے عالمگیر کے امرا میں ان کا شمار ہوتا ہے فارسی کے نامور شاعر ہیں ۱۱۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے مآثر الامرا جلد سوم ص۶۲۳ خزانہ عامرہ ص۱۲۹ سرو آزاد ص۱۲۶ نتائج الافکار ص۳۹۵ [1] میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آباد پٹنہ ان کا وطن ہے شاہجہاں آباد میں رہا کرتے تھے ۱۱۳۳ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے (سرو آزاد ص۱۴۸، نتائج الافکار ص۷۵) میر تقی میر نے اپنے تذکرہ میں ان کے دو شعر نقل کئے ہیں

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں	اس تخم بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پکارا	پردے سے یار بولا بیدل کہاں ہے ہم میں

[2] میرزا عبدالغنی قبول۔ کشمیر ان کا وطن ہے شاہجہاں آباد میں رہا کرتے تھے مرزا جویا کے شاگرد ہیں ۱۱۳۹ھ میں ان کا انتقال ہوا (سرو آزاد ص۱۹۳) نساخ نے رسالہ تحقیق زبان ریختہ میں ان کا ایک شعر نقل کیا ہے۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہے نعرہ زن	تاریک شب میں جیسے کوئی پاسباں پھرے

[3] رسالہ تحقیق زبان ریختہ ص۶

کی ہے ان کی تفصیل یہ ہے۔

دور اول کے شعرا | شاہ مبارک آبرو، ان کا نام نجم الدین ہے، شیخ محمد غوث گوالیری کی اولاد سے ہیں محمد شاہ بادشاہ کے ایام حکومت میں بمقام شاہجہاں آباد ان کا انتقال ہوا ہے [۱]

شیخ شرف الدین مضمون۔ آگرہ کے علاقہ میں بمقام باج مو انکی ولادت ہوئی ہے زمانہ شباب میں آکر دہلی میں سکونت پذیر ہوئے زینت المساجد میں رہا کرتے تھے۔ شیخ فرید الدین گنج شکر کی اولاد سے ہیں [۲]

محمد شاکر ناجی۔ شاہجہاں آباد کے باشندے اور نواب عمدۃ الملک محمد امیر خان کے متوسل تھے۔ شاہ مبارک آبرو کے معاصر ہیں ۱۱۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے [۳]

مصطفےٰ قلی خاں یک رنگ۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا خاں جہاں خاں لودہی کے نبیرا اور محمد شاہ بادشاہ کے درباری منصبدار تھے دہلی میں ان کا انتقال ہوا ہے۔ [۴]

شیخ ظہور الدین حاتم۔ شاہ جہاں آباد ان کا وطن تھا، عمدۃ الملک نواب امیر خاں کے مصاحب اور مرزا سودا کے استاد تھے ان

---

[۱] میر تقی ص ۹ میر حسن ص ۱۴۳ گلشن ہند ص ۲۵ گلشن بیخار ص ۶ سخن شعرا ص ۵

[۲] میر تقی ص ۱۵ میر حسن ص ۱۶۹ گلشن ہند ص ۱۶۲ گلشن بیخار ص ۱۸۱ سخن شعرا ص ۴۶۷

[۳] میر تقی ص ۲۳ میر حسن ص ۱۵۹ گلشن ہند ص ۱۷۲ گلشن بیخار ص ۲۲ سخن شعرا ص ۲۸۶

[۴] میر تقی ص ۱۸ میر حسن ص ۲۱۷ گلشن ہند ص ۱۹۵ گلشن بیخار ص ۲۱۴ سخن شعرا ص ۵۰۷

کے دو دیوان ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید زبان میں ۱۱۹۶ھ میں بمقام دہلی ان کا انتقال ہوا ہے [۱]

اشرف علی خاں فغاں ۔ احمد شاہ بادشاہ کے کوکہ اور مرزا علی قلی خاں ندیم کے شاگرد تھے ، احمد شاہ درانی کی فوج کشی کے بعد دہلی سے عظیم آباد چلے آئے اور یہاں راجہ شتاب رائے کی مصاحبت اختیار کرلی ۱۱۸۶ھ بمقام عظیم آباد انتقال کیا [۲]

یہ شعراء دورِ اول کے تھے اس کے بعد دورِ ثانی شروع ہوتا ہے اس دور کے نامور شعراء میں مرزا مظہر جانِ جاناں (م ۱۱۹۵ھ) مرزا سودا (م ۱۱۹۵ھ) میر تقی میر (م ۱۲۲۵ھ) خواجہ میر درد (م ۱۱۹۹ھ) میر سوز (م ۱۲۱۳ھ) قیام الدین قائم (م ۱۲۰۸ھ) ، انعام اللہ خاں یقین ، احسن اللہ خاں بیان (م ۱۲۱۳ھ) وغیرہ نے شہرت و ناموری حاصل کی ہے

نثر اردو

آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہونے سے قریباً تیس پہلے دکن میں نثر اردو کی ابتدا ہو چکی تھی ، شیخ عین الدین گنج العلم المتوفی ۷۹۵ھ کے رسالے خواجہ بندہ نواز حضرت سید محمد گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ کا رسالہ معراج العاشقین ۔ نشاط العشق کا ترجمہ یہ سب آٹھویں

---

[۱] میر تقی ص۹۵ میر حسن ص۷۸ گلشن ہند ص۸۱ سخن شعرا ص۱۲۰

[۲] میر تقی ص۸۳ میر حسن ص۱۴۲ سخن شعرا ص۳۶۹

اور نویں صدی کے درمیانی زمانہ میں تصنیف ہوئے اور ان سے نثر اردو کی قدامت کافی طور پر ثابت ہوتی ہے

شیخ عین الدین کے رسالے مذہبی احکام و مسائل کے متعلق ہیں اور ان کا ایک مجموعہ قلعہ سینٹ جارج کی کالج لائبریری میں موجود تھا۔

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے معراج العاشقین کی تصحیح کی ہے اور اس پر ایک فاضلانہ دیباچہ بھی لکھا ہے، یہ کتاب ادبی نہیں ہے بلکہ تصوف کی ہے، تاہم اس زمانے کی زبان کا تھوڑا بہت پتہ ضرور لگتا ہے

حضرت میراں جی شمس العشاق نے بھی نثر اردو میں کئی رسالے لکھے ہیں منجملہ ان کے دو رسالے ہم نے بھی دیکھے ہیں اور شاہ صاحب نے ان میں تصوف کے اسرار و نکات تمثیل کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ (۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ) کے زمانہ میں ملا وجہی ایک دکنی شاعر گذرے ہیں، دربار گولکنڈہ کے متوسل اور ملا غواصی کے معاصر تھے۔ ۱۱ ذی القعدہ ۱۰۴۰ھ کو سلطان عبداللہ کے محل میں شاہزادہ تولد ہوا تو انہوں نے مصرع ذیل سے اس کی تاریخ نکالی اور اسے بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش کیا۔

"آفتاب از آفتاب آمد پدید"

ملا نظام الدین احمد نے حدیقۃ السلاطین میں اس واقعہ بدیں الفاظ بیان کیا ہے۔

وبہ شکرانۂ ایں موہبت خاقان سکندر منزلت مبلغی کلی بعلما، وفضلا وصلحا،
اکرام واحسان فرمودند وبفقرا ومساکین نقود واجناس بسیار تصدق نمودند
وجمعی از شعرا تاریخہائے کہ یافتہ بودند بمسامع جاہ وجلال خسرو یوسف جمال رسانیدند
ازاں جملہ سہ تاریخ مرقوم گردید، اول تاریخ کہ ملا وجہی شاعر دکنی یافتہ است
"آفتاب از آفتاب آمد پدید"

ملا وجہی نے ۱۰۴۵ھ میں ایک کتاب سب رس کے نام سے نثر اردو
میں لکھی ہے اس کی عبارت اول سے آخر تک مسجع و مقفیٰ ہے، ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ ملا وجہی نے اس کے لکھنے میں ملا نورالدین ظہوری کی سہ نثر کی تتبع
کی ہے جو سلطان ابراہیم عادل شاہ ثانی کے نورس نامہ پر بطور دیباچہ لکھی گئی ہے
مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے سب رس کے متعلق ایک فاضلانہ
مضمون لکھا ہے اور اس میں کتاب کے مصنف، مضامین، زبان اور دیگر
متعلقات پر خوب بحث کی ہے یہ مضمون رسالہ اردو کی جلد چہارم میں
شائع ہوا ہے،

شرح تمہیدات عین القضاۃ

عین القضاۃ ہمدانی قرن ششم کے اولیائے کبار سے ہیں آپ کا
نام ابوالفضائل عبداللہ بن محمد ہے ہمدان میں پیدا ہوئے
شیخ محمد بن حمویہ کے شاگرد اور شیخ احمد غزالی کے تربیت یافتہ تھے، آپ نے عربی
اور فارسی میں متعدد کتابیں لکھی ہیں، اور ان میں تصوف کے اسرار و
حقائق کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ ایسا کسی دوسرے
مصنف نے کم بیان کیا ہوگا ۵۳۳ھ میں انتقال ہوا، اور قزوین میں

مدفون ہوئے۔[1]

تمہیدات کے نام سے آپ نے ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں تصوف کے رموز شریع و عقائد کے مسائل بعض آیات قرآنی کے حقائق و دقائق بیان کئے ہیں۔ قرن یازدہم کے نصف آخر میں سید میراں جی حسینی نے دکنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، بزرگ حیدرآباد کے باشندے اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے معاصر ہیں، ابتداً شاہی ملازمین میں شامل تھے، سلطان علی عادل شاہ ۱۰۶۷ھ میں برسر حکومت ہوا تو سلطان عبداللہ نے انہیں سرکاری ضرورت پر بیجاپور بھیجا، وہاں شیخ امین الدین اعلیٰ سے ملاقات ہوگئی اور ان کی توجہ سے فنافی الشیخ کا درجہ حاصل ہوگیا، اس کے بعد حیدرآباد واپس آئے اور مسند مشیخت پر رونق افروز ہوئے۔ ۱۸ جمادی الاول ۱۰۸۰ھ کو انتقال کیا، حیدرآباد اور گولکنڈہ کے مابین موضع عبداللہ پور میں مدفون ہوئے، آپ کے فرزند شاہ امین الدین ثانی نے مزار پر گنبد بنوایا جو اس وقت موجود ہے اور ہکر کی گنبد کے نام سے مشہور ہے آپ نے ترجمہ تمہیدات کے علاوہ دکنی زبان میں کئی رسالے لکھے ہیں مثلاً رسالہ وجودیہ، رسالہ قربیہ وغیرہ

تمہیدات کا ترجمہ کس عہد میں تمام ہوا ہے اس کا تذکرہ دیباچہ میں نہیں ہے، لیکن یہ امر یقینی ہے کہ شیخ امین الدین کی بیعت اور بیجاپور کی واپسی

---

[1] نفحات الانس ص ۴۱۴۔ سفینۃ الاولیا ص ۱۶۸ مجمع الفصحی جلد اول ص ۳۳۴۔ نتائج الافکار ص ۲۷۹۔ محبوب الاولیا ص ۱۰۴

کے بعد شاہ صاحب نے اسے تصنیف کیا ہے۔ اس بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں وفات سے کچھ عرصہ پہلے یہ ترجمہ تمام ہوا ہے۔

شمائل الاتقیاو دلائل الاتقیاء شیخ برہان الدین غریب حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلفاء عظام سے ہیں، آپ اپنے مرشد کے حکم سے سات سو بزرگوں کے ساتھ دکن کی جانب روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر دولت آباد میں سکونت اختیار کی اور اسی جگہ ۱۲ ر صفر ۷۳۲ھ کو انتقال فرمایا۔[1]

آپ کے مریدوں میں شیخ رکن الدین بن عماد کاشانی ایک مشہور مصنف گذرے ہیں انہوں نے ایک کتاب میں اپنے مرشد کے ملفوظات جمع کئے ہیں اور اس کا نام نفائس الانفاس رکھا ہے اس کے علاوہ ایک ضخیم کتاب شمائل الاتقیاء و دلائل الاتقیاء کے نام سے لکھی ہے[2] اس کے مضامین عربی فارسی کی سو سے زیادہ کتابوں سے ماخوذ ہیں اور انہیں چار اقسام کے تحت میں بیان کیا ہے

۱۰۸۱ھ کے بعد یعنی سلطنت قطب شاہی کے انقراض (۱۰۹۸ھ) سے دس پندرہ سال پہلے ایک دکھنی بزرگ میراں یعقوب نے اس کا ترجمہ زبان دکھنی میں کیا ہے[3] یہ ترجمہ نہایت صاف و سادہ زبان میں ہے مترجم نے کتاب میں کسی قسم کا تصرف نہیں کیا ہے، مضامین اور ان کی تقسیم اصل کے بالکل مطابق ہے۔

---

[1] مراۃ الاسرار [2] شمائل الاتقیاء کے لئے دیکھئے ایتھے نمبر ۱۸۳۶، [3] یہ ترجمہ کتب خانہ آصف میں فن تصوف کے نمبر ۶۷۳، پر موجود ہے۔

مصنف نے کتاب کے مضامین چار اقسام پر تقسیم کیے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

پہلا قسم۔ طریقت کے لوگاں کے افعال۔ ہور سالکان کے مقاماں ہور طالباں کے طلباں، ہور اس کے عجائبات، ہور باریکیاں کی شرح میں بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا۔ حقیقت کے لوگاں یعنے پیغمبراں، ہور خاص الخاص ولیاں کے بیاں ہیں

تیسرا۔ خدا کے پانچو وجود، ہور ذات کی جگو مگی کا۔ ہور ازل، ہور ابدالاباد کے بیان کا، ہور امر، ہور حکم، ہور قضا، ہور قدر کے نازکیاں کا ہور محمد کے کے جنس جنس کے نوازیاں کا حکم کا بیان۔

چوتھا قسم۔ مہتر آدم کی پیدائش کا۔ ہور صفتاں کا، ہور دنیا کے بڑیاں کا، ہور گنہگار بندگان امیدواران ہور نیو کے ہیں خدا کے عنایات کا بیان۔

نور دریا قادری کے رسالے

رائچور میں جس جس کا نام عالمگیر نے فیروز نگر رکھا ہے[۱] ایک خاندان نور دریا کے نام سے مشہور ہے اس خاندان کے مورث اعلیٰ سید شاہ محمد قادری[۲] بیجاپور کے باشندے اور شیخ امین الدین اعلیٰ[۳] المتوفی ۱۰۸۵ھ کے خلیفہ تھے عالمگیر کے زمانے میں گذرے ہیں آپ نے زبان دکنی میں کئی رسالے لکھے ہیں ان میں تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں منجملہ ان کے ایک مجموعہ میں ہم نے آپ کے دو رسالے دیکھے ہیں جن میں مسائل وحدۃ الوجود اور قضا و قدر پر بحث ہے۔

---

[۱] مآثر عالمگیری ص ۲۳۲ [۲] روضۃ الاولیا بیجاپور ص ۲۱ [۳] روضۃ الاولیا ص ۲۱

معرفۃ السلوک شیخ محمود خوش وہاں۔ بیجاپور کے مشہور بزرگ ہیں، شاہ برہان الدین جانم کے مرید اور شاہ امین الدین اعلیٰ کے پیر تربیت تھے ۹۷۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا اور روضہ امین الدین اعلیٰ میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ نے فارسی میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام معرفت السلوک[1] ہے، شاہ ولی اللہ قادری نے اپنے مرشد شاہ حبیب اللہ قادری کے ایما سے ۱۱۰۶ھ میں بزبان دکنی اس کا ترجمہ کیا۔ یہ بزرگ حیدر آباد میں رہا کرتے تھے نواب انورالدین شہامت جنگ کو ان سے خاص ارادت تھی۔ ۲۹۔ محرم ۱۱۴۴ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ حیدر آباد میں شہر سے باہر باغ گوڑ دہن کے قریب مدفون ہوئے، مزار اور چبوترہ سراج الدولہ نواب محمد علی خاں والاجاہ حاکم ارکاٹ نے بنوایا ہے۔

اسرار التوحید قریب قریب اسی زمانہ میں ایک بزرگ شاہ میر نام قصبہ راجونی میں گزرے ہیں، آپ نے بھی ایک رسالہ مسائل توحید کی نسبت لکھا ہے اور اس کا نام اسرار التوحید رکھا ہے[2]

یہ مختصر سرگذشت ہماں تصنیفات کی جو نثر اردو میں گیارھویں صدی کے خاتمہ تک دکن میں لکھی گئی ہیں اس کے بعد کا زمانہ چونکہ ہمارے موضوع سے خارج ہے اس لئے ان تصنیفات کے حالات کو ہم قلم انداز کرتے ہیں جو بارھویں صدی میں تصنیف ہوئی ہیں تاہم اس قدر بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ کتابیں تصنیف ہوئی ہیں لیکن

---

[1] یہ کتاب ۱۸۹۲ء میں نولکشور پریس میں چھپی ہے۔

[2] یہ رسالہ ۱۳۱۳ھ میں حیدر آباد میں چھپ گیا ہے۔

ان میں ادبی کتابیں ایک دوسرے زیادہ نہیں بلکہ جس قدر ہیں وہ سب تصوف اور مسائل دین سے تعلق رکھتی ہیں۔

شمالی ہند میں نثر اردو کی ابتدا

شمالی ہند میں نثر نویسی کی ابتدا بارھویں صدی سے شروع ہوئی ہے اور سب پہلی کتاب جو نثر اردو نثر اردو میں لکھی گئی ہے وہ مولانا فضلی کی دہ مجلس ہے۔

یہ کتاب ۱۱۴۵ھ میں تمام ہوئی ہے[1]، اس کے بعد محمد حسین کلیم نے ابن عربی کی فصوص الحکم کا ترجمہ کیا[2]، قریب قریب اسی زمانہ میں عطا حسین خاں تحسین نے نوطرز مرصع لکھی ہے[3] یہ سب نثر اردو کی ابتدائی کتابیں تھیں۔

٭

انہیں ایام میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج قائم ہوا اور انگریزوں کو اردو سکھانے کے لیے ڈاکٹر جان گل کرسٹ نے نثر اردو میں متعدد کتابیں لکھوائیں[5] اس کے بعد نثر نویسی کا رواج عام ہوگیا۔

---

[1] آب حیات ص۱۳ [2] گلشن ہند ص۱۴۵ [3] تذکرہ خوش نویساں ص۱۲۹ [4] نوطرز مرصع نواب شجاع الدولہ (۱۱۶۶ھ تا ۱۱۸۸ھ) کے زمانہ میں تمام ہوئی ہے اس میں چہار درویش کا فسانہ مذکور ہے۔ [5] فورٹ ولیم کالج میں ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش سے نثر اردو میں جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان کی مفصل کیفیت مضامین ذیل میں دیکھیے، دیباچہ گلشن ہند از مولوی عبدالحق صاحب ص۶ تا ص۶۶ گل رعنا ص۲۶۴ تا ص۳۰۸ اردو زبان اور اہل یورپ از مولوی عبدالحق صاحب مندرجہ رسالہ اردو جلد سوم ص۹۲ تا ص۱۰۵

ضمیمۂ اوّل

شیخ سعدی

متعلقہ صفحہ ۱۵۴

اردو کے شعرائے قدیم میں ایک بزرگ شیخ سعدی گزرے ہیں تذکرہ نویسوں نے ان کے نام سے ابیات ذیل نقل کئے ہیں [1]

شفقہ چو دیدم بر رخش گفتم کہ یہ کیا دین ہے — گفتا ورائے باورے اس ملک کی یہ رین ہے

اے مردماں تمہر تنہا کتنی بڑی یہ ریت ہے — جب بے نیے پرسا کسے پر دنیا یاریت ہے

ہم نامن کو دل دیا، تم دل لیا اور دکھ دیا — ہم یہ کیا، تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے

دو نین کی کچھ کہوں، در در دنجوں دل کروں — بیٹھیں سنگ کو بیت دھروں پیا یا نہ جانے بیت ہے

سعدی طرح انگیختہ شیر و شکر آمیختہ — در ریختہ، دُر ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

بعض تذکرہ نویسوں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی سے منسوب کیا ہے چنانچہ قائم چاندپوری اپنے تذکرہ مخزن نکات میں لکھتے ہیں۔

"نقل از بعضے مورخین بیان ست کہ چوں شیخ سعدی شیرازی قدس اللہ سرہ در ہنگام سیر و سیاحت بطرف گجرات تشریف آوردند و تجاورت سومنات چنانکہ در نسخہ بوستاں خودش ابیائے براں فرمودہ اند کردند و لختے بر زبان اہل دیار وقوف یافتہ یک دو بیت ریختہ کہ بعد ازیں مرقوم خواہد شد بر سبیل تفنن بقید نظم در آوردہ بعد ازاں حضرت امیر خسرو دہلوی بنا بر طرح نثر ہائے بسیار بکار بردند ہر چند سلیقہ سخن سنجی آں وقت

[1] یہ اشعار نکات الشعرا اور مخزن نکات سے منقول ہیں۔

دور از فصاحت ریختہ گویان حال است و از عبارات خیر یا نوس بالامال لیکن بپاس طبیعت مشتاقان ہر جنس سخن دو سہ چہار بیت از ان ابیات نبرکاً و تیمناً دریں مقام قلمی میگرد و از آثار و احوال این ہر دو بزرگوار چہ نویسد کہ مورخان سلف در کتب تاریخ متداولہ ضبط نمودہ اند و اظہر من الشمس و ابین من الامس است

بعض تذکرہ نویسوں کی رائے میں سعدی ریختہ گو، سعدی شیرازی کے علاوہ ہیں اور انہیں دکن کا باشندہ قرار دیتے ہیں چنانچہ میر تقی کا بیان ہے

"سعدی دکھنی آنچہ بعض این را شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ گمان بردہ اند خطا است"

میر فتح علی حسینی گردیزی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

"سعدی دکھنی از شعرائے قرار داہ دکن است و آنکہ بعضے اعزہ را بہ سبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہ ہائے سعدی دکھنی را از علام اغدنا و فذت تتبع بنام سعدی شیرازی مرحوم ساختہ اند ناشی از جہل و تسفہ است"

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سعدی ریختہ گو نہ تو سعدی شیرازی ہیں اور نہ انہیں دکن سے تعلق ہے بلکہ یہ ہندوستان شمالی کے باشندے ہیں، شہنشاہ اکبر (۹۶۳ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے معاصر تھے ۱۰۰۲ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ملا نظام الدین احمد کا بیان ہے کہ کاکوری کے رہنے والے تھے [۱] بختاور خاں نے لکھا ہے کہ

"طبع موزوں داشتے و بزبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے"

ملا عبد القادر بدایونی نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں [۲۸۶]

"از مشائخ عظام است خلافت از پدر بزرگوار خویش شیخ محمد مرحوم داشتے

[۱] طبقات اکبری ص ۹۵

و شیخ محمد شرحے فارسی بر شاطبیہ نوشتہ قریب ہفتاد جزو، و خلف صدق شیخ سعدی صاحب وجد و حال قوی بود و ظاہر و باطن مصفا داشت و دائم منبسط و منشرح بودے و خوش وقت و آزاد زیستے بیکے از احباب در رقعہ سفر گاہ وداع نوشتہ بود "دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست تا نہ پنداری کہ تنہا میروی"

ضمیمہ دوم

طوطی نامہ[1]

متعلقہ صفحہ ۹۳

شکا سب تتی نام سنسکرت میں ایک کتاب ہے جس کے معنی ہیں "طوطے کی کہی ہوئی ستر کہانیاں" مولانا ضیاء الدین[2] نخشبی نے ان ستر کہانیوں سے باون کہانیاں انتخاب کر کے فارسی میں ان کا ترجمہ کیا ہے یہ ترجمہ ۷۳۰ھ میں تمام ہوا۔

اس کی زبان چونکہ نہایت مشکل و مغلق تھی اس لئے فارسی میں اس کے متعدد خلاصے لکھے گئے علاوہ ازیں مشرق و مغرب کی متعدد زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہوا چنانچہ اس کی تفصیل ذیل میں درج ہے۔

---

[1] یہ خلاصہ ہے ہمارے ایک مضمون کا جو رسالہ مخزن بابت جولائی ۱۹۰۹ء میں طوطا کہانی کے عنوان سے شائع ہوا ہے اور اس میں ہم نے طوطی نامہ کی اصلیت اور اس کے مختلف تراجم کی مفصل کیفیت بیان کی ہے۔ [2] مولانا ضیاء الدین نخشبی بہت بڑے عالم اور ذی کے بلند پایہ مصنف گذرے ہیں بدایوں کے رہنے والے تھے ۷۵۱ھ میں فوت ہوئے طوطی نامہ کے علاوہ سلک السلوک عشرہ مبشرہ و کلیات و جزئیات انکی مشہور و مقبول عام تصنیفات ہیں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں انکا تذکرہ

مولانا نخشبی کی کتاب کے خلاصے

(۱) شیخ ابوالفضل علامی نے دسویں صدی کے وسط میں سلیس و آسان فارسی میں اس کا خلاصہ کیا

(۲) ملا سید محمد قادری نے مولانا نخشبی کی باون حکایات سے پینتیس حکایات انتخاب کر کے انہیں گیارہویں صدی میں شرفا کی روزمرہ فارسی میں لکھا۔

یہ خلاصے بھی طوطی نامہ کے نام سے مشہور ہیں، پہلا نایاب ہے دوسرا ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں اور ۱۸۰۱ء میں لندن میں چھپا ہے اس کے بعد بمبئی سے اس کے کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتا ہے

مولانا نخشبی کی کتاب کے تراجم

(۱) ترکی زبان میں بعہد سلطان سلیمان اعظم (۹۲۶ھ تا ۹۷۴ھ) شیخ عبداللہ صاری نے ترجمہ کیا جو ۱۲۵۲ھ میں بولاق میں اور ۱۳۰۱ھ میں طبع ہوا ہے جارج راسین GEORGE ROSEN نے اس ترکی ترجمہ کو جرمن میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۵۸ء میں لیپزگ میں طبع ہوا ہے۔

(۲) دکھنی زبان میں دو ترجمے ہوئے ہیں اور دونوں منظوم ہیں۔

(۱) ترجمہ غواصی کا ہے جو ۱۰۴۹ھ میں تمام ہوا ہے اس کا ایک نسخہ مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کے یہاں موجود ہے۔

(۲) ترجمہ ابن نشاطی نے ۱۰۶۷ھ میں کیا ہے۔

(۳) انگریزی میں جیرانس GAI RANS نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۷۹۲ء میں لندن میں چھپا ہے۔

ملا سید محمد قادری کی کتاب کے تراجم

(۱) دکھنی میں ۱۱۴۲ھ میں ترجمہ ہوا مترجم کا نام معلوم نہیں اس کا ایک نسخہ جامعہ عثمانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۲) اردو میں سید حیدر بخش حیدری نے ڈاکٹر جان گل کرسٹ کی فرمائش سے ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء میں ترجمہ کیا۔ اور طوطا کہانی نام رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۲۵ء میں ڈاکٹر فاربس کے اہتمام سے لندن میں چھپی ہے، ہندوستان میں اس کے بیسیوں ایڈیشن شائع ہوئے ہیں اور عام طور پر ملتی ہے

(۳) انگریزی میں گلاڈوین GLADWIN نے ترجمہ کیا ہے جو فارسی متن کے ساتھ ۱۸۰۰ء میں کلکتہ میں چھپا ہے۔

(۴) جرمن میں پروفیسر ایکن IKEN نے ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۲۲ء میں اسٹاٹگرٹ میں طبع ہوا ہے۔

ریو ص ۵۳۲ ایتھے نمبر ۲۸-۷، ۵۲-۷ ریکر جلد اول نمبر ۳۰-۷

طوطی نامے کے خلاصے اور ترجمے

سنسکرت (اصل)

خلاصے

- ابوالفضل علامی کا خلاصہ — دسویں صدی
- سید محمد قادری کا خلاصہ — گیارہویں صدی
  - دکھنی ترجمہ — سنہ ۱۱۴۲ھ
  - انگریزی ترجمہ — از گلاڈوین — سنہ ۱۸۰۰ء
  - اردو ترجمہ — سید حیدر بخش حیدری — سنہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۱ء
    - ہندی ترجمہ جس کا نام ہے شوک بہتری — سنہ ۱۸۸۶ء
  - جرمن ترجمہ — پروفیسر ایکین — سنہ ۱۸۲۲ء

ترجمے

- ترکی ترجمہ — از عبداللہ صاری — مابین [illegible] سنہ ۹۷۴ھ
  - انگریزی ترجمہ — جیرانس — سنہ ۱۷۹۲ء
- دکھنی ترجمہ — از ملا غواصی — سنہ ۱۰۴۹ھ
- دکھنی ترجمہ — ابن نشاطی — سنہ ۱۰۷۶ھ
  - جرمن ترجمہ — جارج راسین — سنہ ۱۸۵۸ء

ضمیمۂ سوم

حسن و دل

متعلقہ صفحہ ۳۹!

حسن و دل فارسی لٹریچر کا ایک مشہور تمثیلی فسانہ ہے اور اس کو نظم و نثر میں مختلف مصنفین نے تصنیف کیا ہے۔

(۱) مولانا فتاحی۔ ان کا نام محمد بن یحیٰی سیبک ہے، سلطان شاہ رخ مرزا (۸۰۷ھ تا ۸۵۰ھ) کے زمانے میں گذرے ہیں، نیشاپور کے رہنے والے تھے ۸۵۳ھ میں انتقال ہوا ہے ان کے کئی تخلص تھے، تفاحی، فتاحی، اسراری، خماری، لیکن ان میں فتاحی زیادہ مشہور ہے، حسن و دل اور شبستان خیال ان کی مشہور تصنیفات ہیں۔

حسن و دل کا نام دستور عشاق ہے، یہ ایک ضخیم مثنوی ہے اس میں پانچ ہزار ابیات ہیں ۸۴۰ھ میں تصنیف ہوئی ہے، چنانچہ خاتمہ میں اس کا ذکر مصنف نے اس طرح کیا ہے۔

پئے ایں روضۂ بستان عالم چو تاریخ تمامش دار "خرم"

گرین شیلڈ GREENSHIELD نے اسے ۱۹۲۶ء میں نہایت اہتمام کے ساتھ پیرس میں چھپوایا ہے۔

دولت شاہ طبع لیڈن ص ۴۱۷ بمبئی ص ۱۸۳ لاہور ص ۲۸۶ حبیب السیر جلد سوم جز سوم ص ۱۴۸

(۲) مولانا صرفی ۔ نام صلاح الدین ہے ، سادہ کے رہنے والے اور ملا محتشم کاشی کے شاگرد تھے ، شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں ولایت سے ہندوستان میں آئے اور کچھ زمانہ ملا نظام الدین احمد بخشی کے ساتھ گجرات میں بسر کیا پھر فیضی کے ساتھ دکن چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال ہوا ، حسن و دل کو انھوں نے نظم فارسی میں لکھا ہے ، یہ نہایت موثر اور زور دار مثنوی ہے سنہ ۹۹۳ھ میں تمام ہوئی ہے " عاشق و معشوق ،، اس تاریخ نکلتی ہے ۔

(۳) بجود ۔ ملا جامی ۔ ان کا لقب ہے ، لاہور کے رہنے والے تھے عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں گذرے ہیں ، بادشاہ نے انہیں نام دار خاں کا خطاب عنایت کیا تھا ۔ تاریخ خوب کہا کرتے تھے سنہ ۱۰۹۶ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے ، حسن و دل کو انہوں نے بھی نظم کیا ہے نہایت اچھی مثنوی ہے اور ابتدا اس کی مصرع ذیل سے ہوئی ہے ۔

الٰہی بہ مستان بزم نیاز

سرخوش نے کلمات الشعرا میں ان کے حالات لکھے ہیں

(۴) خواجہ محمد بیدل ۔ یہ بزرگ شیخ عبد القادر بیدل کے علاوہ ہیں اور اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں گذرے ہیں ، انہوں نے حسن و دل کو نثر فارسی میں لکھا ہے ،، داغ دلبند ،، سے اس کی تاریخ نکالی ہے ۔ ابتدا کی پہلی سطر یہ ہے ۔

گوہر بحر حمد و ثنا و جواہر معدن شکر و عطا نثار بارگاہ آں بادشاہ کشور حسن و جمال ۔

حسن و دل کے متعلق بعض مفید معلومات کیلئے ڈاکٹر ایتھے کا مضمون

NEU PERSISCHEN LITTRATUR - G. I. PH. VOL - II. P1 334.

کتابیات

تاریخ

نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱) دول الاسلام	امام شمس الدین ذہبی	حیدرآباد سنہ ۱۳۳۷ھ
(۲) المختصر فی اخبار البشر	ابوالفدا حموی	مصر سنہ ۱۳۲۵ھ
(۳) تاریخ جہانگشائے	ملا علاء الدین جوینی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴) جامع التواریخ	وزیر رشید الدین فضل اللہ ہمدانی	لیڈن سنہ ۱۳۲۹ھ
(۵) طبقات ناصری	قاضی منہاج الدین جرجانی	کلکتہ سنہ ۱۸۶۴ء
(۶) روضۃ الصفا	میر اخوند محمد بن خاوند شاہ المتوفی سنہ ۹۰۳ھ	بمبئی سنہ ۱۲۹۱ھ
(۷) حبیب السیر	میر غیاث الدین اخوند میر المتوفی سنہ ۹۴۲ھ	بمبئی سنہ ۱۲۷۳ھ
(۸) تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف	کلکتہ ۱۸۹۱ء
(۹) بابر نامہ	محمد ظہیر الدین بابر بادشاہ	قازان سنہ ۱۸۵۷ء
(۱۰) آئین اکبری	شیخ ابوالفضل علامی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء
(۱۱) طبقات اکبری	ملا نظام الدین احمد بخشی	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۵ء
(۱۲) اقبال نامہ جہانگیری	محمد شریف معتمد خاں	لکھنؤ سنہ ۱۸۷۰ء
(۱۳) منتخب التواریخ	شیخ عبدالقادر بدایونی	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۵ء
(۱۴) تاریخ فرشتہ	حکیم محمد قاسم فرشتہ	لکھنؤ سنہ ۱۸۶۴ء

نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۱۵) منتخب اللباب جلد سوم	محمد ہاشم خافی خاں	کلکتہ سنہ ۱۲۳۵ ہجری
(۱۶) حدیقۃ السلاطین	ملا نظام الدین احمد شیرازی	قلمی مملوکہ مولوی سید علی اصغر
(۱۷) حدیقۃ العالم	نواب میر عالم موسوی	حیدرآباد سنہ ۱۳۱۰ھ
(۱۸) بساتین السلاطین	محمد ابراہیم زبیری	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۷ھ
(۱۹) مآثر عالمگیری	محمد ساقی مستعد خان	کلکتہ سنہ ۱۸۷۳ء
(۲۰) مرآۃ احمدی	علی محمد خاں دیوان	بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ
(۲۱) تحفۃ الکرام	علی شیر قانع	دہلی سنہ ۱۳۰۷ھ
(۲۲) سلسلۂ آصفیہ	سررشتہ علوم و فنون سرکار عالی	آگرہ سنہ ۱۸۹۷ تا ۱۹۰۴ء
(۲۳) تاریخ خورشید جاہی	منشی غلام امام خان دہلوی	حیدرآباد سنہ ۱۳۶۱ھ

(تراجم صوفیہ)

نام کتاب	نام مصنف	مقام و سنہ طباعت
(۲۴) اسرار الاولیا	خواجہ بدرالدین	لکھنو سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۵) جواہر فریدی		لکھنو
(۲۶) اخبار الاخیار	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	دہلی سنہ ۱۸۷۶ء
(۲۷) سفینۃ الاولیا	محمد دارا شکوہ	لکھنو سنہ ۱۸۸۴ء
(۲۸) خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوری	لکھنو سنہ ۱۸۷۴ء
(۲۹) زاد المتقین	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	قلمی

تراجم شعرا

(۳۰) لباب الالباب	نور الدین محمد عوفی	لیڈن سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۱) ہفت اقلیم	امین احمد رازی	کلکتہ سنہ ۱۹۱۸ء
(۳۲) سرو آزاد	میر غلام علی آزاد بلگرامی	لاہور سنہ ۱۹۱۳ء
(۳۳) نتائج الافکار	محمد قدرت اللہ خاں گوپاموی	مدراس سنہ ۱۲۵۹ھ
(۳۴) گلستان سخن	مرزا قادر بخش صابر	لکھنؤ سنہ ۱۲۷۱ھ
(۳۵) نکات الشعرا	میر تقی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۰ء
(۳۶) تذکرہ شعرائے ریختہ	میر حسن دہلوی	انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۲۲ء
(۳۷) گلشن ہند	مرزا علی لطف	لاہور سنہ ۱۹۰۶ء
(۳۸) گل رعنا	مولوی عبد الحی ندوی	اعظم گڈھ سنہ ۱۳۴۳ء
(۳۹) گلشن بیخار	نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۰) گلشن بیخزاں	محمد قطب الدین باطن	لکھنؤ سنہ ۱۲۹۱ھ
(۴۱) آب حیات	مولوی محمد حسین آزاد	دہلی سنہ ۱۸۹۶ء
(۴۲) تذکرہ شعرائے دکن	مولوی عبد الجبار ملکاپوری	حیدرآباد سنہ ۱۳۲۹ھ
(۴۳) مخزن نکات	محمد قیام الدین قائم	قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ
(۴۴) چمنستان شعرا	لچھمی نرائن شفیق	قلمی مخزونہ کتبخانہ آصفیہ

(تراجم عام)

(۴۵) سبحۃ المرجان	میر غلام علی آزاد بلگرامی	بمبئی سنہ ۱۳۰۳ھ

(۴۶) نجوم السماء	محمد صادق لکھنوی	لکھنو سنہ ۱۳۰۳ھ
(۴۷) محبوب الاولیا	مولوی خدا بخش خاں	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ھ
(۴۸) تذکرہ علمائے ہند	مولوی رحمان علی	لکھنو سنہ ۱۸۹۴ء
(۴۹) تذکرہ خوشنویساں	غلام محمد ہفت قلم	کلکتہ سنہ ۱۹۱۰ء
(۵۰) روضۃ الاولیائے بیجاپور	محمد ابراہیم زبیری	رائچور سنہ ۱۳۰۳ھ
(۵۱) سخن شعرا	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنو سنہ ۱۲۹۱ھ

متفرق

(۵۲) عجائب الاسفار	ابن بطوطہ	لاہور سنہ ۱۸۹۷ء
(۵۳) آثار الصنادید	ڈاکٹر سر سید احمد خاں	کانپور سنہ ۱۹۰۴ء
(۵۴) باغ و بہار	میر امن دہلوی	لندن سنہ ۱۸۸۹ء
(۵۵) دریائے لطافت	انشاء اللہ خاں انشا	لکھنو سنہ ۱۹۱۲ء
(۵۶) تحقیق زبان ریختہ	عبدالغفور خاں نساخ	لکھنو سنہ ۱۸۹۰
(۵۷) دبستان مذاہب	ذوالفقار اردستانی	کلکتہ سنہ ۱۲۲۴ھ
(۵۸) جذب القلوب	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	کلکتہ سنہ ۱۲۷۱ھ
(۵۹) منتخبات فارسی	موسیو شیفر	پیرس سنہ ۱۸۶۵ء
(۶۰) ترجمہ انوار سہیلی	محمد ابراہیم بیجاپوری	مدراس سنہ ۱۸۴۸ء
(۶۱) کشف الظنون	حاجی خلیفہ مصطفیٰ چلپی	مصر سنہ ۱۳۱۰ھ
(۶۲) ریاض الجناں	محمد باقر آگاہ	حیدرآباد سنہ ۱۳۰۰ھ

(۶۳) بحر الفضائل — محمد بن قوام بن رستم بلخی — قلمی کتب خانہ آصفیہ

(۶۴) آداب الفضلا — قاضی خاں ملا ندر محمد دہلوی — " "

(۶۵) شرف نامہ — قوام الدین ابراہیم فاروقی — " "

(۶۶) مؤید الفضلا — شیخ لاد دہلوی — لکھنؤ ۱۸۸۴ء

(۶۷) بہار عجم — ٹیک چند بہار — لکھنؤ ۱۸۷۹ء

(۶۸) رسالہ اردو — انجمن ترقی اردو بابت ۱۹۲۴ء ۱۹۲۶ء

(۶۹) لسان العصر — بابت ۱۹۱۰ء

(۷۰) اورنٹیل کالج میگزین — بابت ۱۹۲۵ء

قدیم تصنیفات

قدیم تصنیفات کے قلمی اور چھپے ہوئے نسخے جو دوران تالیف میں مؤلف کے پیش نظر رہے ہیں

احکام الصلوٰۃ ۔ از شاہ ملک (ص۱۰۵) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۷۶ھ

پنچھی باچہ ۔ از وجدی (ص۱۴۳) ایک قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۲۲۰ھ ۔ چار مطبوعہ ، مدراس ۱۲۷۲ھ و ۱۲۱۳ھ ، بمبئی ۱۲۹۰ھ ۱۳۱۹ھ

پھول بن ۔ از ابن نشاطی (ص۹۸) دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۲۰۶ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ مکتوبہ ۱۲۵۰ھ مملوکہ مولف ۔

تحفہ عاشقاں ۔ از وجدی (ص۱۴۱) ایک نسخہ قلمی ، مملوکہ مولوی ظفریاب خانصاحب

تحفۃ العاشقین ۔ از سید میراں حسینی (ص۹۵) ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۷۲ھ مملوکہ مولف

تحفۃ النصائح ۔ از ملا قطبی ص۹۶ دو نسخے مکتوبہ ۱۱۸۶ھ مملوکہ مولف مکتوبہ ۱۲۰۶ھ مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

تنبیہ نامہ از ولی بیجاپوری ص ۱۲۶ ایک قلمی نسخہ۔ مملوکہ مؤلف۔
جواہر الاسرار اللہ از سید شاہ علی حسینی گانوں دہنی ص ۱۷۱ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۲۴۸ھ
خوب ترنگ معہ امواج خوبی از شیخ خوب محمد چشتی ص ۱۰۳ ایک نسخہ مطبوعہ پٹن ۱۳۲۰ھ
خاور نامہ از رستمی ص ۱۱۸ ایک نسخہ قلمی مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات۔
دیوان سراج ص ۱۵۳ دو نسخے قلمی مکتوبہ ۱۲۶۴ھ و ۱۲۸۹ھ موجودہ کتب خانہ آصفیہ
دیوان ولی ص ۱۵۰ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۹ھ مملوکہ مؤلف۔ تین نسخے مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء
لکھنؤ ۱۸۷۸ء انجمن ترقی اردو ۱۹۲۸ء
دیپک پتنگ از سید محمد عشرتی ص ۱۳۸ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر
رسالہ قربیہ از امین الدین اعلیٰ ص ۱۲۵ ایک قلمی نسخہ ناقص الآخر۔ مملوکہ مؤلف
رسالہ وجودیہ۔ از قاضی نور دریا ص ۱۶۳ ایک نسخہ قلمی موجود کتب خانہ آصفیہ فن تصوف ۶۱۴ھ
روضۃ الشہدا۔ از ولی دکنی ص ۱۲۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۲۸۰ھ دو نسخے مطبوعہ بمبئی ۱۲۹۷ھ و ۱۳۱۳ھ
سب رس۔ از ملا وجہی ص ۱۱۶ تین نسخے قلمی (۱) مکتوبہ ۱۲۲۵ھ (۲) ناقص الآخر موجودہ کتب خانہ
آصفیہ فن تصوف ۹۵ و ۴۳۲ (۳) مکتوبہ ۱۱۸۲ھ مملوکہ مؤلف
شرح تمہیدات۔ از سید میراں جی خدا نما ص ۱۶ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مؤلف نے اسے بمقام
ویلور کتب خانہ واقع مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے
شمائل الاتقیا۔ از سید میراں یعقوب ص ۱۶۲ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۶۳ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ فن تصوف ۴۴۳
طوطی نامہ۔ از ملا غواصی ص ۹۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۴ھ مملوکہ مؤلف
عشق نامہ۔ از عبد المومن ص ۱۲۵ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۱۳ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ سوانح عمری ۲۵۰
علی نامہ۔ از ملا نصرتی ص ۱۳۰ ایک نسخہ قلمی بلا تاریخ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات
قصہ بہرام و حسن بانو۔ از امین و دولت ص ۱۶۲ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ
قصہ بہرام و گل اندام۔ از طبعی ص ۱۰۱ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ ۱۱۹۳ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم
قصہ چندر بدن۔ از مقیمی ص ۱۳۲ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ

قصۂ رتن پدم۔ از ولی دکنی ص ۱۰۲ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مؤلف نے اسے بمقام ویلور مدرسہ لطیفیہ میں دیکھا ہے

قصۂ رضوان شاہ۔ از فائز ص ۱۰۳ ایک نسخہ قلمی موجودہ کتبخانہ آصفیہ قصص ۱۲۱

قصۂ سیف الملوک۔ از ملا غواصی ص ۹۳ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۹۰ھ دو نسخے قلمی مکتوبہ سنہ ۱۱۹۲ھ مملوکہ مولف۔ مکتوبہ سنہ ۱۲۲۳ھ مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

قصۂ ملکہ مصر۔ از عاجز دکنی ص ۱۳۳ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۰۷ھ

گلدستۂ عشق از صنعتی ص ۱۹۶ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۳۲۶ھ

گلشن احسان از سید علی احسان ص ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

گلشن عشق۔ از ملا نصرتی ص ۱۳۹ تین نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۶۴ھ موجودہ کتبخانہ آصفیہ مثنویات ۲۹۹ (۲) مکتوبہ سنہ ۱۲۶۲ھ مملوکہ مصنف (۳) ناقص الاول و آخر مملوکہ مصنف

گنج عرفان۔ از میران جی شمس العشاق ص ۱۱۵ ایک نسخہ مطبوعہ شاہ نور سنہ ۱۲۹۱ھ

مخزن عشق۔ از وجدی ص ۱۴۲ ایک نسخہ قلمی ناقص الآخر مملوکہ ڈاکٹر محمد قاسم ماہر سمیات

معراج العاشقین۔ از خواجہ سید محمد گیسو دراز حسینی ص ۶۳ ایک نسخہ مطبوعہ حیدرآباد سنہ ۱۹۲۵ء

معرفت السلوک۔ از شاہ ولی اللہ حیدرآبادی ص ۱۶۲ دو نسخہ قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۹۵ھ (۲) بلا تاریخ موجود کتب خانہ آصفیہ تصوف ۴۴۸ و ۲۸۰

من لگن۔ از محمود بحری ص ۱۴۴ چار نسخے مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۶۲ھ و سنہ ۱۳۰۷ھ بنگلور سنہ ۱۳۱۱ھ و سنہ ۱۳۳۵ھ ایک نسخہ قلمی مکتوبہ سنہ ۱۲۲۴ھ معہ ارث من لگن مملوکہ مؤلف۔

نیہ درپن از بیر احمد بشر ص ۱۳۹ ایک نسخہ قلمی مملوکہ نواب عنایت جنگ بہادر

رائیت ہندی۔ از ضعیفی ص ۱۳۵ ایک نسخہ مطبوعہ مدراس سنہ ۱۲۸۷ھ

یوسف زلیخا۔ از امین گجراتی ص ۷۶ ایک نسخہ مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۲ھ

یوسف زلیخا۔ از ہاشمی ص ۱۲۸ دو نسخے قلمی (۱) مکتوبہ سنہ ۱۱۷۱ھ مملوکہ مولف (۲) موجودہ کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ مدراس

ملحقات

اردوئے قدیم

دورِ قدیم کے مشاہیر شعرا اور مصنفین

کی

زبان اور کلام کے نمونے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوراق مابعد میں قدمائے مصنفین کا جو نمونۂ کلام جمع ہے اسے ادوار
و ازمنہ کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ زبان کے تغیرات اور عہد بہ
عہد کی ترقیاں سلسلہ وار نمایاں ہو سکیں۔ اگر ناظرین ان نمونوں کو جغرافیائی
تقسیم اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کرنا چاہیں تو اس کے لئے
کتاب کے ابواب و فصول کے ساتھ ان کی مطابقت کر لینا چاہیئے۔
نمونوں کے انتخاب میں کسی خاص مقصد کو پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے
بلکہ کسی ایک مقام سے مسلسل ابیات یا عبارتیں نقل کر لی گئی ہیں، تاکہ لسانیاتی
نقطۂ نظر سے زبان کی حقیقی کیفیت ظاہر ہو سکے، اس زمانہ میں مضامین
کی بندش، خیالات کی بلندی اور شاعرانہ جذبات بالکل فارسی شاعری کے
تابع نظر آتے ہیں، ان چیزوں کے دکھانے کے لئے چیدہ چیدہ ابیات کے انتخاب
کرنے کی ضرورت تھی، لیکن ایسا کیا جاتا تو زبان کے اصلی خد و خال پر پردہ
پڑ جاتا اور یہ نمونے شعر و سخن کی بیاض بن جاتے، تاہم سلطان محمد قلی قطب
شاہ، ملا غواصی، ملا نصرتی، میاں ہاشمی، عشرتی وغیرہ شعرا کے نمونوں
سے اس عہد کی شاعری اور شعرا کے زور کلام کا تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے
ان نمونوں میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ قدیم ترکیبیں اور متروک
جملے ناظرین کو کثرت سے نظر آئیں گے جن کی وجہ سے زمانۂ حال میں انکا

سمجھنا اور ان کے مطالب سے بہرہ ور ہونا دشوار ہو گیا ہے لیکن دکنی زبان قدیم املا اور بعض صرفی و نحوی خصوصیات سے واقف ہونے کے بعد یہ مشکل آسانی سے حل ہو جاتی ہے ، اس لیے ہم ذیل میں پہلے ان امور کی نسبت چند خاص خاص باتیں بیان کرتے ہیں . اس کے بعد بعض مشکل الفاظ کے معنی بھی لکھ دیتے ہیں ، اس بارے میں ہارس کی قدیم دکنی ڈکشنری (سنہ ۱۱۸۶ھ) اور ملا محمد مہدی واصف کی ہندی لغات (سنہ ۱۲۴۹ھ) من لگن اور دکنی انوار سہیلی کے فرہنگوں سے ہمیں بہت بڑی مدد ملی ہے .

۱۔ دکنی تصنیفات میں عربی فارسی الفاظ کا املا مروجہ قاعدہ کے خلاف نظر آتا ہے اور اہل دکن نے ہندی اصوات کے لحاظ سے ان کا تلفظ تحریر کیا ہے .

مثلاً مروجہ املا		دکنی املا	
	تسبیح		تسبی
"	دعویٰ	"	دادا
"	خوشی	"	خُشی
"	صبح	"	صبا
"	صحیح	"	صحی
"	نفع	"	نفا
"	وضع	"	وضا

اسی طرح اکثر ہندی الفاظ کا املا بھی ان کتابوں میں اختلاف کے ساتھ نظر آتا ہے ۔ مثلاً

تجھ تجھے تجھ کو	تج۔ تجے۔ تجکوں
مجھ مجھے مجھ کو	منج۔ منجے منجکوں
ساتھ	سات
ہاتھ	ہات
کچھ	کچ
سکھ	سک
بکھ	بک

۲۔ دکنی بولنے والے عام طور پر اسم کے آخر میں الف نون زیادہ کرکے جمع بناتے ہیں۔ مثلاً

آنکھ	سے	انکھیاں	انجو	سے	انجواں
جنس	سے	جنساں	نعمت	سے	نعمتاں
نین	سے	نیناں	میوہ	سے	میواں

۳۔ دکنی میں عام طور پر ماضی کے آخر میں الف سے پہلے (ی) اضافہ کی جاتی ہے۔ مثلاً

کہا	کہیا	دیکھا	دیکھیا
رکھا	رکھیا	پکڑا	پکڑیا
لکھا	لکھیا		

۴۔ عطف کا (اور) دکنی میں ہمیشہ (ہور) لکھا جاتا ہے۔

۵۔ دکنی میں حرف (ج) کو اخیر میں زیادہ کرنے سے حصر اور

تخصیص کے معنی پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً

اکیلا	سے	اکیلاچ	یعنی	اکیلا ہی
اتیا	سے	اتیاچ	"	اتنا ہی
تیرا	سے	تیراچ	یعنی	تیرا ہی
اپنا	سے	اپناچ	یعنی	اپنا ہی
ایک	سے	ایکیچ	یعنی	ایک ہی
توں	سے	توچ	یعنی	تو ہی
واں	سے	وانچ	یعنی	وہاں ہی

کبھی کبھی (چ) سے پہلے (ہی) بھی اضافہ ہوا کرتا ہے۔ مثلاً
اکیلا ہیچ - اتیا ہیچ - اپنا ہیچ وغیرہ۔

۵۔ دکنی زبان میں حروف جارہ استفہام اور ضمائر وغیرہ کی حسب ذیل شکلیں ہوا کرتی ہیں۔

یہ	یہ۔ یو	وہ	وو۔ اون
سے	تے۔ سوں۔ سیں۔	سیتی	ستیں
تک	لگ۔ تلگ	کا	کیرا
کے	کہ	کی	کیری
نہیں	نیں۔ نکو۔ نھیں	ہے	اہے۔ اچھے
ہو	اچھو	ہوں	اچھوں
میں	ماں۔ موں	وہاں	واں

یہاں	یاں	وہیں	وِیں
یہیں	یئیں	ہیں	منے ۔ منیں
ہم	ہمن	ہمکو	ہمنا
تو	توں	تم	تمن
تمکو	تمنکوں	آپ	آپن ۔ اپین
اپنا	اپس کا	اوس	اون ۔ تنس
اس نے	انن ۔ تسنے	انھوں	اُنوں
آگے	اگل ۔ اگن ۔ اگو ۔ اگیں	اندر	بھتر بھتر
باہر	بہار	نیچے	تل
اوپر	اُپر ۔ بالا	پاس	کن ۔ کنے
بہت	بہوت	کبھی	کدھی ۔ کدھیں ۔ کبھیں
جو	جے	جوکوئی	جکوئی
جو کچھ	جکچھ	اتنا	اِتنا ۔ ایتا
کرتا	کینتا		

۷ ۔ بعض قدیم مصادر اور ان کے مشتقات جو بدلت ہوئی کہ متروک ہوگئے ہیں۔

اُچھنا ۔ ہونا ۔ رہنا ۔ اچھے ۔ ہوئے ۔ رہے

اَنپڑنا ۔ پکڑنا

اوچانا ۔ اٹھانا ۔ بلند کرنا ۔ اوچا ۔ بلند

دِسنا ۔ دیکھنا ۔ دِسنا ۔ دکھائی دینا ۔ دِسے ۔ دیکھائے دے
سِٹنا ۔ ڈالنا پھینکنا ۔ سِٹ ۔ ڈال پھینک ۔ سِٹیا ۔ ڈالا پھینکا
کاڑنا ۔ نکالنا ۔ کَنا ۔ کہنا ۔ کَنا ۔ کہتا ۔ کَہتے ۔ کہتے ۔

۸ ۔ قدیم قاعدے کے موافق مصدر کا الف گرا کر (ہار) اضافہ کرنے سے اسم فاعل بنتا ہے ۔ مثلاً

اچھنا سے اچھنہار ۔ سِٹنا سے سِٹنہار
دسنا سے دسنہار ۔ کاڑنا سے کاڑنہار

۹ ۔ چند قدیم دکنی الفاظ کے معنی جو نمونوں میں آئے ہیں ۔

آدھار ۔ فہم و فکر ۔ آرسی ۔ آئینہ ۔ اپرال ۔ اوپر ۔ بالا
اپروپ ۔ بیمثل ۔ اچپل ۔ شوخ ۔ خوش طبع ۔ ادک ۔ بہت زیادہ
ارت ۔ معنی ۔ اڑکا ۔ پسینہ ۔ انبر ۔ لباس ۔ پوشاک
اینت ۔ نہایت ۔ انجو ۔ آنسو ۔ انگار ۔ آگی ۔ آتش
باٹ ۔ راستہ ۔ باج ۔ بغیر ۔ سوا ۔ باؤلا ۔ دیوانہ
بچن ۔ بات ۔ سخن ۔ بن بالفتح ۔ باغ ۔ بن بالکسر ۔ بغیر
بھنور ۔ زنبور ۔ بُہیں ۔ بھوئیں ۔ زمین ۔ پات ۔ پیت
برگ ۔ پتا ۔ پتواس ۔ پتے ۔ پربت ۔ پہاڑ ۔ پنڈ ۔ جسم ۔ بدن
پنکھ ۔ پرندہ ۔ پوران ۔ قصہ ۔ داستان ۔ پون ۔ ہوا
ترت ۔ فی الفور ۔ ترلوک ۔ کائنات ۔ موجودات عالم
ٹھل ۔ زمین ۔ جگہ ۔ تلاؤ ۔ تالاب ۔ ٹھار ۔ مکان ۔ مسکن

ٹھاؤں ۔ جگہ ۔ مکان جگ ۔ جگت ۔ زمانہ

جنگل ۔ جنگل جل ۔ پانی جوت ۔ نور

جھنجھ ۔ تشویش جیو ۔ جی ۔ دل ۔ روح

چندر ۔ چاند چندر گل ۔ گل چاندنی

چنگی ۔ چنگاری درپن ۔ آئینہ

دھنگ ۔ خیال ۔ روشن دھنی ۔ مالک ۔ تونگر

دیا ۔ دیوا ۔ چراغ رت ۔ ردت ۔ موسم

رسن ۔ زبان روپ ۔ شکل ۔ صورت

روپا چاندی رین ۔ رات

زرینا زیور سار ۔ مانند

سرگ ۔ عالم بالا ۔ فردوس سری برابر

شگل ۔ ہمہ ۔ سب سکن ۔ خوبی ۔ لنگون

سکی سہیلی سمدور سمندر

سنسار ۔ دنیا ۔ جہاں سپورن ۔ ماہ کامل

سہس ۔ ہزار سیس ۔ سر

سیوا ۔ پرستش ۔ عبادت سیوک ۔ خادم ۔ خدمتگار

شاہ مارگ ۔ شاہراہ عارس ۔ عاروس ۔ دلہن

ورنگ ۔ سیدھی تلوار کال ۔ دشمن

کٹنگ ۔ فوج کھورا ۔ مغاک ۔ گڑھا

گگن ۔ آسمان ۔ گل سور ۔ سورج مکھی
گنبھیر ۔ عمیق ۔ مردم سنجیدہ ۔ گھن بالفتح ۔ ابر ۔ سحاب
گھن بالکسر ۔ نفرت ۔ کراہت ۔ گھنیرا ۔ بہت
لاگ ۔ مہر و محبت ۔ بغض و کینہ
مارگ ۔ راستہ ۔ مد ۔ شراب ۔ مکھ ۔ منہ
مہکار ۔ خوشبو ۔ میا ۔ محبت ۔ نار ۔ عورت
نِھل ۔ پاک و صاف ۔ نچنت ۔ بے فکر
نرمل ۔ خالص ، بے عیب ۔ نس ۔ رات
نمن ۔ نمونہ ۔ مانند
نون ۔ خوبصورت ۔ حسین ۔ نین ۔ آنکھ
نیر ۔ پانی

نمونہ کلام کی تقسیم ادوار و ازمنہ کے لحاظ سے

سنہ ۸۲۵ھ تا سنہ ۹۹۹ھ

خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز سنہ ۸۲۵ھ معراج العاشقین۔ حضرت میرانجی شمس العشاق، شہادۃ التحقیق سنہ ۹۰۲ھ
سید شاہ علی گام دھنی سنہ ۹۷۳ھ ۔ جواہر الاسرار امین کمال ۔ بہرام و حسن بانو

سنہ ۱۰۰۰ھ تا سنہ ۱۰۴۹ھ

سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی	سب رس (سنہ ۱۰۴۴ھ)	میراں حسینی	تحفۃ العاشقین سنہ ۱۰۴۵ھ
ملا قطبی	تحفۃ النصائح (سنہ ۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ سنہ ۱۰۴۹ھ

سنہ ۱۰۵۰ھ تا سنہ ۱۰۹۹ھ

دولت	بہرام و حسن بانو (سنہ ۱۰۵۰ھ)	نصرتی	گلشن عشق (سنہ ۱۰۶۸ھ)
ابن نشاطی	پھول بن (سنہ ۱۰۶۶ھ)	شیخ امین الدین اعلیٰ	رسالہ قربیہ سنہ ۱۰۸۴ھ
میراں یعقوب	شمائل الاتقیا (سنہ ۱۰۹۰ھ)	ہاشمی	یوسف زلیخا سنہ ۱۰۹۹ھ
مقیمی	قصہ ملکہ مصر سنہ ۱۱۰۰ھ	سید شاہ میر	اسرار التوحید (سنہ ۱۱۰۰ھ)
عشرتی	دیپک پتنگ سنہ ۱۱۰۰ھ	شاہ ولی اللہ	معرفۃ السلوک سنہ ۱۱۰۹ھ
بحری	من لگن سنہ ۱۱۱۲ھ	ولی دکنی	روضۃ الشہدا سنہ ۱۱۱۹ھ
ہنر	نیہ درپن (سنہ ۱۱۴۴ھ)	وجدی	پنچھی باچھا سنہ ۱۱۶۶ھ
ولی اورنگ آبادی	کلیات	سراج	منتخب دیوان
صنعتی	قصۂ فغفور چین (سنہ ۱۱۵۹ھ)		

نمونہ کلام کی تقسیم جغرافیائی اور مقامی خصوصیات کے لحاظ سے

سلاطین بہمنیہ اور شاہان گجرات کے دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

خواجہ بندہ نواز (۸۲۵ھ) معراج العاشقین۔ سید شاہ علی گام دھنی ۹۷۳ھ جواہر اسرار اللہ

امین گجراتی۔ قصہ بہرام و حسن بانو

(۲) قطب شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

سلطان محمد قلی قطب شاہ	کلیات	ملا احمد	لیلیٰ مجنوں
ملا وجہی	سب رس ۱۰۴۵ھ	میران حسینی	تحفۃ العاشقین
قطبی	تحفۃ النصائح (۱۰۴۵ھ)	ملا غواصی	طوطی نامہ (۱۰۴۹ھ)
ابن نشاطی	پھول بن (۱۰۶۶ھ)	فائز	قصہ رضوان شاہ ۱۰۹۲ھ

(۳) عادل شاہی دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

شمس العشاق میرانجی ۹۰۲ھ	شہادت التحقیق	ملا نصرتی	گلشن عشق ۱۰۶۸ھ
امین الدین اعلیٰ	رسالہ قربیہ ۱۰۸۰ھ	میران یعقوب	شمائل الاتقیا ۱۰۹۰ھ
میاں ہاشمی	یوسف زلیخا ۱۰۹۹ھ		

(۴) مغلیہ دور سے تعلق رکھنے والے مصنف

مقیمی	قصہ ماہیار و چندر بدن ۱۰۵۰ھ	عاجز	قصہ ملکہ مصر ۱۱۱۸ھ
شاہ میر	اسرار التوحید ۱۱۰۶ھ	ملا مشرقی	دیپک پتنگ (۱۱۰۸ھ)
شاہ ولی اللہ	معرفت السلوک ۱۱۰۹ھ	بحری	من لگن ۱۱۱۲ھ
ولی دکنی	روضۃ الشہدا ۱۱۱۹ھ	ہنر	نیہ درپن ۱۱۴۲ھ

وجدی	پنچھی باچھ سنہ ۱۱۴۶ھ	دلی اورنگ آبادی کلیات
سراج	منتخب دیوان سنہ ۱۱۶۵ھ	

شمس

شمس العشاق میران جی

از شہادۃ التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم توں سبحان
تو دانا اور بینا توں سب کھتے ہے توانا
یہ سب عالم تیرا رزاق سب تیوں کیرا
تجھ بن اور نہ کوئی نہ خالق دوجا ہوئے
جے تیرا ہوئے کرم تو ٹوٹے سب ہی بھرم
اس کارن تجھ کو دہاون اور تیرا نام لیون
تجھ نرتا کون جانے اور پوری صفت بکھانے
ہے تیرا انت نہ پار کس موکھوں کروں اچار
سب حال تجھ پہ بہنا راکھے تیوں رہنا
جو غیب امر جانے اس نہی کون نہ مانے

ــــ محمود ــــ

صفت کروں میں اللہ کیری جے پوری پودن پور
قادر قدرت انگیکاروں نیڑے نا دور
نا اس روپ نا اس دیکھ نا اس نشان مکان

تو گنا گنو ننار کر وا کس ٹھکر کروں بکھان
لاشریک بے عدد وا حد جہت جیزوں بھی باکھ
اچھے سکت سیوک کیتے عالم چیندیں لاکھ
(رسالہ اردو جلد ہفتم)

سید شاہ علی حسینی

آپیں کھیلوں آپ کھلاؤں — آپیں آپس بے کل لاؤں

⁂

میرا ناؤں منجھے اٹ بھاوے — میرا جی منجھے بہ چاوے
میری نیہ منجھے سوں مائے — رہری اپنیں روپ لبھاوے

⁂

کہیں سو مجنوں ہو بر لاوے — کہیں سو لیلی ہوئے دکھاوے
کہیں سو خسرو شاہ کہاوے — کہیں سو شیریں ہو کر آوے

⁂

ابنن ایسی بوجھی سارد — بوجھی تھی ان بوجھیا وارد

⁂

سر کی اچھر ہور مندر بادی — ہر جے اس منہ ندیاں باری
مانک موتی سکھ سنگار — اے سب بھیس پیا کا ساری

⁂

مکھ پہ بال بکھیر سو سانپنی   چھپکر ہوئے رات نگھاتی
دل سنبھال کر سو بکھرے کیسا   دن ہوا دئے سورج جیسا

(در رسالہ اردو جلد ہفتم)

امین

معاصر سلطان بہادر شاہ گجراتی

از داستان بہرام و حسن بانو

قصہ کون جو واقف ہو پاوے خبر   خدا کی خدائی میں تھا یک شہر
اسے شہر فارس رکھا نام تھا   وہاں بادشاہ نام بہرام تھا
اسم شاہ بہرام کا تھا اصل   اسے گور کے صید کا تھا شغل
لقب تب ہوا شاہ بہرام گور   نہ تھا کوئی جہان میں مثل اسکے اور
اتھا خوب صورت بہت بیمثال   نزاکت تنا بہت ہیں صاحب جمال
وہ تھا مرد عادل بڑا ذی قیاس   غریبوں کی ملجائے تھا وحباس
دنا یک روز بیٹھا تھا شہ نام دار   نجومی بولائے اسی وقت چار
کہو لے نجومی میرے راز کو   بدی اور نیکی جو میری کہو
کہیا یک نجومی نے اے کامگار   تیرے ملک کی حد ہے قائم چہار
کدھی تم سدھارو برائے شکار   یہ تینوں طرف کو تو ہو کر سوار
نہ چوتھے طرف کو سدھارو بھلا   جو جاؤگے واں تم تو ہے یہ خطا
کہا شہ نے اس کا سبب دے بتا   کہ چوتھے طرف کا بتا دے پتا

نجومی نے دل میں کیا تب فکر کہوں سب احوال میں کھول کر
معما کہا ہے وہ سمجھائے گر وہ نزدیک شہ کے کھڑا آن کر
سنو میں ہوں کہتا بیاں بے عدول مبادا ادھر ہوئے خاطر ملول
کہا شاہ سن خوب کی تم نے بات ولیکن ہے تقدیر سو رب کے ہات
نجومی کو شہ نے کیا تب رضا فکر دل میں کرتا رہا اس دضا
کہ قسمت کا اپنے تو دیکھو مزا ہووے گا وہی سچ کرے جو خدا
نجومی تو گھر کو گیا ہے چلا جو کہنا و سننا برا یا بھلا
ولیکن جو حق کو تھا کرتا حذر در ہوئے بن نہ ٹلتا ہے، ہونا ضرور
وہ چھوڑے نہ ہرگز جو تیر قضا وہ ہوتا ہے جس میں ہے حق کی رضا
ہوا اس کا شہ کے ہے دل میں خیال ہوا وسوسہ شہ کو از حد کمال

سلطان محمد قلی قطب شاہ

از کلیات ۔ مرتبہ سلطان محمد قطب شاہ

پلا ساقیا منج کوں مستانہ مے کیا ہے بہوت گرم جنگ ہور نے
جلکے عشق کوچے میں ہے سلطنت نہیں دکھیا ہے کہ ہیں اس کو کئے
سدا اچھو لبن اور بد ہے منجے نہیں ہے خماری کبھیں ہور دے
سنپورن ہے تج جوت سوں سب جگت نہیں خالی ہے نور سے کوئی شے

*

گرجیا ہے میگہ سر تھے تازہ ہوا ہے بت ال
پھولاں کی باس پایا بلبل ہزار داستاں

اے خوش خبر صبا توں جا جواں قناں کن
چمناں کی آرزو میں بیٹھے ہیں مے پرستاں

او نو نہال پھولاں ہے جام غم سو بادہ
نرگس اپس پلک سوں جھاڑو کرے پرستاں

پلکھ نور پردے سے یوں تج خط عنبریں او
جو سو دادیہ ہے باول یکاں سو گلستاں

بیہوش ہیں سے دل کوں میٹھے ادھر جلائے
گلزار ہے عجب اور دو لعل شکرستاں

تج عشق کے گدکوں اورنگ شاہی دینا
سب عاشقاں منج انکھیں میں طفل جوں دبستاں

روزی ہوا قطب شہ تج عشق کا پیالہ
بھرے ہیں ہر طرف توں جم شوق کے خمستان

رکھ ایک ہے ہر ٹیک کدہن لاکھ چمن ہے
لکھ جوت ہے ہر ٹھار ولے ٹیک دتن ہے

سمدور ہے یک ہور ندیاں ہیں سو ہزاراں
پاتاں سو کروڑاں ہیں ولے ٹیک ورن ہے

کس ٹھار ہیں وستا نہیں سب ٹھار ہے بھرپور
دیکھن کو سکت کاں اسے ہر ٹیک نین ہے

منج عشق گری آگ کا یک جھنگی ہے سورج
اس آگ کے شعلہ کا دھواں سات گگن ہے

اگے سو پرت ہنت میں چل سیں بھوں قطبا
تج کون سو مددگار حسین ہور حسن ہے

❁

راز لس کا تم سنتیں کہنا ہوس
تیری بات انکار کا سننا ہوس

بے کجی کلیاں بھری باغاں منے
رس کی کلیاں باغ تج چننا ہوس

بزم نیزا دستنا ہے رنگیں بہشت
یک دو باتاں پیالہ سوں کہنا ہوس

کونلی ڈالی کون لگے پھل رنگ رنگ
اس پھلاں سیتے طرہ گندنا ہوس

سب بہشتی حور اس باساں جیویں
روح کوں اس باس ہے سنگنا ہوس

❁

سو رتن پیالہ میں، ساقی شراب پور کر — سو غم دبیر سالہ کوں، یکدو قدح سوں دور کر

میرے خیال کھیل پر، ہنستے ہیں عاقلاں سدا — جانو نہ جانو کھیل وچ کھیل پیالے کے سور کر

باد سحر کنا کرے، بے سودھ اے دوا دری — یکدو خبر خوشی کے لیا، سو دل و جاں سرور کر

آج شہ چین چلیا، شرق نگر تھے شتاب — ڈھال فلک کی اچا، او تہ عالی جناب

باندھ خنجر کرن کی، زریں فرنگ ہات لے — صبح کے وقت آٹھیا، بیک دو پیالے شراب

چترک فلک فیل مست ہنسی سوں مکھ لال کر — گرم ہو چلنے لگیا، زنلے کتک بے حساب

ذرے ہو فراش سب، چلیے شہ چین آگے — دیتے سراچے شفق، لا اسے زریں نقاب

قوس و قزح ہاتھ لے جوڑ کے تیر استوا — سور گشتش جو کیا، نس کہ اڑانے غراب

سو ہے غلط بول نہیں، ہے تھا بول توں سن — فتح و ظفر چند کا، چرخ دیا اس جواب

شاہ ختن سن چلیا، غرب نگر تھے لے فوج — نکلے نشاں ہا ربی رنگ، جیسے اہے مشک ناب

کش کہ چلیا ہات قوس، اس سے آسماں کی — سور اتاران کوں تیں، جوڑیا ستارے شہاب

تنتے ہیں دنیا اہے، صلح خدا تج منیں — ہے تمہیں نس دن کی شہ، نا لڑو تم آپنی باب

میں کیا تم دو کوں شاد، یک سرج ہور چندر ماہ — دھرتی تھیں دو نو جاہ، دونوں کوں سر ہوئے ذاب

دل کو سرج نس کو چند، تد بھی کیا ہے وہاب — چاند کوں کنیلا مجے، سور کوں کینا ذہاب

ملا احمد

معاصر سلطان محمد قلی قطب شاہ

مثنوی لیلیٰ مجنوں

جو منج بخت کوں فتح یا در ہوا — سو منج بخت کو سیوک انبر ہوا
جو شہ آپ تھے آپ منج یاد کر — منجے غم کی بندگی تھے آزاد کر
دینے امر علی کی یہ باغ لاؤں — جو پالوں اسے شہ امر بت نانوں
جو میں شہ کا امر سر پر لیتا — ترت باغ لانے شتابی کتیا
بہت یک پریشانی روزگار — اگرچہ منجے ہے ملامت سو بار
بہت یک مشغلاں شتلیں رات و دن — نہ تھی منج فرصت بھلڑ ایک بن
دلے آس دھر شہ کے فرمان پہ — لگیا تن سنگار ل بہو قصہ دہر
دھریا عشق کی باس بن کے پھول — جو اس باس پر جوں بھنور جگ کوں بھول
سو کچ عشق کوں اب جگت میں جگاؤں — جو گھر گھر تے لیلی و مجنوں اوچاؤں
جو لیلی و مجنوں تھے بولوں پوراں — سو تازہ کروں اب انو کا لوداں
جو اس حق چمن پو تھے گرزے پون — پون باس تھے باس نے سرک بن
جو اس باغ پہ شہ کا داغ ہے — سو باغوں میں یہ باغ شہ باغ ہے
دہنی باغ م کا شہ، یں باغ باں — بھنور باغ کا کیوں نہ ہوئے آسماں
جو اس باغ کا مہکار تھے جگ بھرے — سو سرمست کر قدسیاں کو دہرے
سو کچ شہ کوں یہ تن مبارک رہو — جو اس تن تھے ہر روز نوروز ہو

شہنشہ کے ارکان دولت جے کوئی | مبارک انوں پر بھی یہ باغ ہوئی
جو کوئی باغ کی باغبانی کرے | سو اس باغ تھے شادمانی کرے
دکھنی باغ کا باغباں کو نواز | بہو مرحمت سوں کرے سرفراز
جو احمد کرے آس دہر بن سنگار | سو اب شہ تھے پائے ستیں سنگار

یہ نمونہ پروفیسر محمود شیرانی کے مضمون لیلے مجنوں احمد دکنی سے ماخوذ ہے جو اورنٹیل کالج میگزین بابت نومبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا ہے۔

میراں حسینی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ
از تحفۃ العاشقین تصنیف ۱۰۴۵ھ

خدا نام کرتا ہوں ییں ابتدا | کہ قدرت سے اسکے ہوئے دوسرا
کروں ناز اسی قدرتِ پاک پر | شرف دی ہے یہ خاک کوں سربسر
بہت مہوشاں اس نے پیدا کیا | خطاں دلپسند رنگ نہ بیا دیا
ہر یک صورت گل کوں دی رنگ و بو | ہر ایک کوں دی اخلاق پاکیزہ خو
کیا ایک کون لالہ کے مانند موں | دیا داغ لالہ نے نت رنگ سوں

٭

وہ ہے شاہ جن دیپری کا نام | اس کا ہے سلطان عبداللہ نام
سلیمان صفت شاہ بحر و بری | جہاں دائماً زیر انگشتری

وہ ہے شاہ شاہاں مبارک جناب ‏ — ‏ دل شرزہ ہو خوں فشاں مثل آب
وہ زیب جہاں ہے کہ جوں آفتاب ‏ — ‏ جہاں جس کے بخشش سوں ہے کامیاب

⁂

سنو اب حقیقت میری دردناک ‏ — ‏ کروں مبرہن تم سے با شرح پاک
میرا باپ تھا ایک بڑا نامدار ‏ — ‏ کہ اسباب دنیا سے تھا کامگار
بہنے تنگ میرا باپ مجھ سرا دہر ‏ — ‏ خوشی ساتھ گذری تمامی عمر
قوی تن بہت زوردار تھا اونے ‏ — ‏ نہ تھا اس کے مانند دنیا منے
بڑا تھا وزیر یک نزدیک بادشاہ ‏ — ‏ سپہ دار دارائے تخت و کلاہ
کہ ہر روز شب تا پگاہی نشست ‏ — ‏ یہی کام تھا اس کوں پابوس تخت
کہ تھے سات فرزند ہم اس کے تئیں ‏ — ‏ کہ سب سوں زیادہ تھا دلبند میں
کہ اس سن میں تھا ایک برادر میرا ‏ — ‏ دل و جاں بہت ناز پرور میرا
ولے سیزنوں میں تھا نیکو سیر ‏ — ‏ طبیعت فرشتہ تھا صورت بشر
اسے بھی کیا جام اجل نوش کر ‏ — ‏ یہ دنیائے دوں کو فراموش کر
کہ سنگ فنا سات شیشے کو توڑ ‏ — ‏ چلا سٹ یہ ہستی دل عقبیٰ سوں جوڑ
تب اس درد و غم سوں قبولا سفر ‏ — ‏ وداع وطن کوں میں کیا ہر شہر
کہ گلشن میں دنیا کے گذرے عمر ‏ — ‏ نہ پل کے جوں آب جاوے گذر
کہ سلطان محمد قلی شیر دل ‏ — ‏ کہ شاہاں سے لیتا ہے شمشیر دل
کہ داد و دہش میں تھا او بے نظیر ‏ — ‏ نہیں اس کے ثانی ہوا کوئی دھیر
کہ بخشش میں سا ہے جوں سحاب کرم ‏ — ‏ کہ باراں سا سائل پہ جھٹکیا درم

اسے کچھ عمارات سے لاگ تھا — سونا روپا اس کے انگو خاک تھا
ہر ایک ہفتہ میں کئی عمارات زر — توڑ ہا دی بندھا دی عمارت دگر
ہزاراں سے لاکھ دگر صد ہزار — کرے خرچ ایسا ہے وہ نام دار
حکم پا کو اس شہ کا معمار ماں — بندے کاخ یک کوہ الوند نشاں
کہ دوراں عجب زور لایا دہاں — ہوئے تب وہ بیمار شاہ جہاں
نہ قوت رہا بیٹھ اٹھنے کا اس — نہ ہرگز قدم پیش رکھنے کا اس
نہ ہلنے کا قوت نہ چلنا اسے — سدا اس الم بیچ گھلنا اسے
کہا تب بلا سات فرزند کوں — کہ اب محل میں چل منجے لیکے توں
زمیں بوس کر عجز و الحاح کے سات — گیا وہ لے شاہ سات شہ اسکے سات
دیویں حکم گر شاہ یکتا منجے — چلوں لے یہاں سوں بخارا تجھے
یہ سن ہنس کے شہ بات اس سات یوں — لگا کہنے فرزند دلبند یوں
زمیں آسماں کوں ہے جبتک قرار — پھرے چرخ تا حشر لیل و نہار
ترے دل کے گلشن کو پروردگار — سحاب کرم سنوں رکھے پر بہار
کہ او محل نو جو ہویا تھا متبار — کہ خوبی میں جوں قصر فغفو سار
بس القصہ شہ کو لیجا گھر منے — کہ کرسی زر پر بیٹھا پن کنے
کہ جب محل نو میں گیا بادشاہ — زر و مال پاٹا قبا و کلاہ
کہ مشہور تھا وہ او پر خاص و عام — کہ مالک وہی ہے بجھانے کلام

تحفۃ الاستفتیق کا مخطوطہ ہمارے یہاں موجود ہے، اور اسی سے یہ یہ نمونہ کلام نقل کیا گیا ہے۔

ملا قطبی

معاصر سلطان عبداللہ قطب شاہ

از تحفۃ النصائح تصنیف سنہ ۱۰۴۵ھ

باب سی و پنجم

جس وقت توں چنداں نوں	۱	دیکھے جو توں اپنی نظر
بسم اللہ سوں پڑھ تیس بار		الحمد توں ناغہ نہ کر
تاریخ پہلی کوں پڑے	۲	اِنّا فتحنا یاد سوں
نا آئے بلا تج پاس کد		ہور پائے جنت ہر کدھر
دیکھے محرم کوں سینا (سونا)	۳	ہور دیکھ صفر میں آرسی
اول ربیع آب روان		آخر کوں بکرا ایا نظر
اول جمادی ہے روپا	۴	ہور ہے بڈھا آخر منے
مصحف رجب کوں دیکھنا		شعبان ہریا گھانس تر
رمضان کوں شمشیر دیکھ	۵	شوال کو کپڑا ہریا
ذی القعدہ کو بیٹا نیھا		ذوالحجہ کو بیٹی خوب تر

باب چہل و دوم

جنت سنکھیاں کا ٹھاوں ہے	۱	اس وقت تو پاوے محب
تس کے بدل کاماں کرے		ہر دیس یک یک خوب تر
ہیں بہشت کے کاماں بہت	۲	جد ہور گفت کچھ نیں اسے

اس سب منے نے کون تجے — گن سات اگلے بلیس پر
ہور جو تلک جینا رہے ۳ — اخلاص ہور دل بھاؤ سوں
ہور جو تلک جیتا رہے — ثابت رہنا تس کے اوپر
مہماں کون ہے پیارا ر ۴ — ہور کافراں سو کر غزا
جوں بھید اپنا کوئی تجے — بولے تو ناکہ کس اوپر
زحمت جو آوے تج اوپر ۵ — کس آدمی سوں کہہ نکو
سارے تیرے دکھ درد سوں — راکھے چھپا دل کے بھیتر
دل جیو کے سینہ کے بھیتر — مسکیں درویشاں کو دکھ
تج سوں برائی جو کرے — تس ساتھ تو احسان کر

کتب خانہ مخطوطات مشرقیہ کے نسخے سے یہ نمونہ انتخاب ہوا ہے

غواصی

از طوطی نامہ تصنیف سنہ ۱۰۴۹ھ

شب پنجم

کتے ہیں جو یک ٹھار تھے چار یار — یک اس میں بڑھائی ایک اس میں سنار
یکن درزی ایکس سو زاہد گنبھر — لتھے چاروں میں چار فن بے نظیر
سو یہ دیس جا گشت کرنے لگے — جہاں دل منگے واں اتنے لگے
سو یک دن ہوا یوں جو وہ چار یار — پڑے ایک جنگل میں جا ایک ٹھار
جو پھر نا سکے پاؤ واں نزس تے — اجڑ ہو پڑیا تھا وہ کئی برس تے

عبادور کی دستی نہ تھی ذات واں
کہ دہشت تے ہلتا نہ تھا پات واں

ڈوبیا دن سو دیس واں اندھارا ہوا
یکایک رہین آشکارا ہوا

نجا سک اسی ٹھار پر اور ہے
سو کر فکر آپس میں اپی یوں کہے

کہ یوں ٹھار تو ہے ادک ہولناک
جو سوں لگے ہمیں یاں تو ہونگے ہلاک

بھلا ویں جو نوبت سو بیٹھیں ہوشیار
لیویں بانٹ چاروبھی چار و پہار

کریں پاسبانی سو ایکس کی ایک
صبا ہووے گی تو نزاں لیویں دیک
ہیچ

٭

سو کر شرط یوں جاگنے کی بدل
اٹھا آپ سب تے بڑائی اول

نہ نیند آئی تینوں فکر کر ذات میں
لیا رتیشہ اپن ہات میں

دکھانے بدل اپنی صنعت گری
تکے مغز کی ڈال کاٹ یک ہری

کیا راس پتلی سو اس دہانٹ تے
نگر آئی لکھی اوڑ سماوات تے

اگر آذر اس وقت پہ ہو دنا
تو دیکھ بت تراشی اتے دل وچھو دتا

رہتا دل پو مانی کے بھی داغ ہو
بھلا جو نہ تھا اس زمانے میں اد

یکن وہ بڑائی ہنرمند خاص
جو پھر اکر اپنا ہوا جیوں خلاص

٭

اٹھا ویں سنار اس پچھے دوسری بار
لگیا دیکھنے کون جو انکھیاں لیسار

سو خوش شکل پتلی نظر تی پڑی
سنا کار ڈبہ میں نے دیں اس گھڑی

گھڑیا بیس نازک لب نیاں عجب
سو چھوڑ ا اسی ڈوب سینے میں سب

چڑیا جسم پر حسن لڑتے اسے
لیا نور گھیرا کدھر تے اسے

جو تھی خوب اول سو ہوئی خوب تر — ہوئی جا او محبوب محبوب تر

❁

ہوا ویلا کام تے جوں سنار — اٹھیا درزی پھر کا کرن تسری بار
دکھانا گہاں جوں او صورت اونے — نہ تھی کسوت او سگوں سوا سبی منے
رنگیں کپڑے بقچے میں تے کاڑ کر — سو تقطیع کی قینچ سوں پھاڑ کر
کیا مستعد کسوت بے نظیر — سنوارا نزاکت سوں اس کا شریر
سو کسوت میں او نار دسنے لگی — خوش عاروس کی سار دسنے لگی

❁

ہوا جو کنارے وہ درزی سنوارا — سو زاہد اٹھیا آپ چوتھی پہار
وضو کر کو بندگی میں او مشغول ہو — یکایک دیکھا پتلی مقبول او
سو ریجہ اس او پر دیں دعا جو کیا — وہیں جیو پروردگار اس دیا
سو سوں آدمی کی تمن کھول کر — اٹھی چلبلا ناگہاں بول کر

❁

صبا ہوئی سو چاروں ملے ایک ٹھار — ہوئے عاشق اس روپ کے ہر چہار
لگیا اٹکے چاروں کو داوا کبل — سوا سبی منے وہ بڑائی اول
کیا اے عزیزان خوش روزگار — اگر دیکھتے ہیں تمہیں حق بچار
تو یو صورت اول نہ اتنا سو تھیں — یو میری ہے دیسوں نہیں کسی کے تئیں
من اے بات سنار موں کر کے لال — کہیا یوں کہ اول یو صورت تھی کھال
زر بنا پہنچا اس دیا روپ میں — دیکھا دیا سو کر اس کوں اپروپ میں

چڑھی جو میری بست اول اسکے تن
یو میری ہے دیکھونہ کو اس کدہن

سن یہ بات درزی اٹھا کود کر
لگیا بولنے یوں غصہ سوں اگر

کہ بنیا دییں ہتی اول یو نگی
شرم ڈھانپ کر میں کیا اس چنگی

یو عاروس میری ہے چھینے اسے
اند اندا نہیں منجہ بغیر از کسے

تعجب میں ہو زاہد اس بات پر
اٹھیا بول تندی سوں اس دہات کر

اگر جیو تن میں نہ آتا اسے
نہ آز کے کوں ناکام آتی کسے

یوں میری ہے یاراں تمہاری نہیں
چلو جاویں بل منصفی کوں کہیں

کہیں جس دھاٹ بیگانے چار
چلیں اس وخا زیاستی دم نہ مار

ہو اس دہات راضی سنگات انکوں لے
نکل اس جنگل میں تے لڑتے چلے

٭

سو ناگاہ یک شاہ بادگ منے
ہوا جان یک لشکری سامنے

سو چاروں نے رکھ سک خیال اپنا
گئے بھول اس وہیر حال اپنا

جو خاطر منے خوب لایا تمام
وہ عیار رایا سو پایا تمام

دیکھا تل اوپر خوب اس نادکوں
دلوا منا سو گھیر یاد ہیں اس چارکوں

کہیا یو سہیلی تو میری دسے
لے کر آئے ہیں تم دغا سے اسے

تمہاری ہوں میں اختیاری یو گم
عجب کوئی اوباش ہیں آج تم

بیری دے کو عورت سلامت ہوں جاؤ
اگر نہیں تو کتوال کن جائیں آؤ

ہو درہم اپس میں اہیں پانچو تن
بدل نیاوکی آئے کتوال کن

٭

وہ کتوال اول نے تھا عشق باز — دیکھ اس نار کا روپ ہور چھند و ناز
منڈا سا پھرایا پانچوں پر باند دین — سولی پر مرے گا اٹھا سانددیں
کہے بھائی میرے کی عورت یو نار — سو چودر آشیا شب اسے جی سے مار
گئے لے اسے بستی ہو بھاؤ سوں — بڑا فکر تھا آج لگ منج کو یوں
وہ چوراں سو نم ہیں خدا ناگہاں — لے کر آ گیا کھینچ تمنا یہاں
ڈر اس وضا خوب پانچوں کے تئیں — جو قاضی کنے آیا ہے دنبال ویں
دغا باز سب تے وہ قاضی اتھا — سدا ایسے کاماں سوں راضی اتھا
سو دیکھ اس پری رخ کو ہو اٹھ کھڑا — ہوا داد بیداد آپ سب تے بڑا
کہا یو تو باندی ہے جیونی میری — وفادار گھر کی سلونی میری
لے ٹیلی کئی برس تے گمی تھی نہ اس — پھر آئی ہو آئی ہے کر گھر کی آس
ملی میری باندی تو ہر حال منج — دلے کان ہے لادیو دو مال منج

٭٭٭

جو اس دہات کا شور او چائے تمام — ملے اس تماشے کو سب خاص و عام
سو ایسے میں کوئی شخص عارف نول — کہا یو خصومت تو ہے بے بدل
کہ ہر کوئی جھگڑے تو عالم منے — نبر ناں کر جاتے ہیں قاضی کنے
آپی مدعی جان تے قاضی ہووے — کہو کیوں نہ انصاف ناضی ہووے
کہ سانوں سے جنے ہیں غرضمند یو — کہ دھرتے ہیں ایکس سوں ایک ڈھنڈ یو
سکت کہاں ہے کس آدمی ناد کوں — جو انڑے الوں کی تہمت داد کوں
فلانے جو صحرا میں ہے ایک جھاڑ — جو عالم کے جھاڑاں سبی کا ڑ
عجب کچ کرامت ہے آج اس منے — ہے الکھن ولی کا راج اس منے

جو کوئی جس نیت سوں نزدیک اسکے جائے
تو ویساچ آواز اس دِک تے آئے

اگر ہل کے ساتوں وہاں جائیں گے
تو فارغ ہو اس دھنج تے آویں گے

سنے جوں دو اس جھاڑ کے ناوں کوں
چلے اس سگی کو لے اس ٹھاوں کوں

کھڑا کر اسے جھاڑ کے پیڑ کن
کہے حال جوں ہوں کہ اسکے کدہن

سو قدرت نے یک بارگی جھاڑ او
لیا کھینچ اس دہن کو دو پچھاڑ ہو

برابر ہوا دیں پھر اول کے سار
ہوا حق جو یچ تھا سو واں آشکار

دولت

از داستان بہرام و حسن بانو تصنیف ۱۰۵۰ھ

سنا قلزات ایسا وہاں
کہ آتا شاہ پریاں ہے لڑنے لیاں

خبر سن ہنسا گرڑا کر پلید
کیا تب انے یک فکر ہے شدید

وہ جلدی سے بولا ہے لشکر کو یوں
شہر سبز ویران کرو پل میں توں

یہ کہہ کر گیا کوچ جلدی سنگات
کہا شہ پری کو کوئی آ کے بات

کہ قلزات آتا ہے تیرے اوپر
وہ لاتا ہے لشکر بڑا تجھ اوپر

خبردار ہو تم خنسے وادر ہو
لڑائی کے ساماں سے تیار ہو

سنی بات بہرام نے بھی سبھی
خبر دیو سردار سے یہ کہی

کہ آتا ہے بدبخت مرتد یہاں
کرو فکر تم بھی اٹھو اس زماں

ہنسا دیو دریاں سن کر یہ بات
کہا کچھ فکر کر نہ تو نیک ذات

کئے مورچے بند ہر ٹھار ٹھار
سر انجام جنگ کا دے کر کر تیار

فتح کا دمامہ اٹھا ٹھوک کر — وہ سب فوج لیکر پڑا اس اوپر
لگی جنگ واں پر بہ شدت سرکانت — نہ پائی کسی نے فراری کی بات
چھوٹے توپ خانے بہت بیشمار — اٹھا غل جدھر کا ادھر مار مار
خبر جا کیا شاہ بہرام گور — کیا تب گنداول کے لشکر نے زور
دلاور جو بہرام کے ہیں چھوٹے — فرنگ کیں جو تلواریں لیکر ٹوٹے
کیا ملک زلزال کا پایمال — کیا پکڑ کر اس کو ہے قیدی بحال
جو شیراں ہیں بہرام کے شیر دل — وہ زلزال کو ہے کیا مضمحل
فتح آسمانی ہے حق نے دیا — وہی شہ کو نصرت ہے غیبی کیا
بجے شادیانے خوشی کے تمام — خوشیوں کے نقارے کئے دھوم دھام
فتح کر کے بیٹھا وہ بہرام شاہ — بادشاہ پریاں کو دکھ دا ہیں چاہ

نصرتی

از گلشن عشق تصنیف سنہ ۱۰۶۸ھ

ازل تے جو مج عشق کی سوز ہے — ابد لگ اوک شعلہ افروز ہے
ہوا ہے میرے طبع کا سب چمن — بہرت کی گلاں داٹ کر کھو بچن
اگو چل بھر کی مج نین ہے بدل — بہراہر انجھو مے سورج تے بچن
دکھا دیں جو مج آہ اس بھید کوں — معمہ کرے جام خورشید کوں
جو ہر بات کا مج بلند اوج ہے — وہ سب عشق کے بحر کا موج ہے
دلوتی ہے ہر ورق کا مجے خط سواد — سو لیتے عشگل کا دھواں کر نیاد
دکھوتے خوبی عشق ہیں صافی — سو کرتا ہوں میں عشق پو عاشقی

نہ ہشیار ہوویں کہ ہیں مست عشق ۔ جنم مست سو کل بہریں مست عشق

مے صاف کا عشق ساقی ہے یاد ۔ ٹٹنہار دہو دل تے غم کا غبار

اچھے عشق خلقت کی جگ کا سبب ۔ اچھے عشق گنجینۂ راز رب

لقا کیا جسے جگ میں شاہی اچھے ۔ اجل جسکے گھر کا سپاہی اچھے

بلند تر ہے افلاک تے جس نشاں ۔ زمیں کالے تس چتر ہے سایہ بان

نظر پھر کی لیائے جب رنگ میں ۔ کریں لال جب سینہ آسنگ میں

دلاں کا ہے اے عشق تو بادشاہ ۔ جہاں ڈر سو وہاں تجہ تخت گاہ

دیوا داہ کا تجہ سو کالا دسے ۔ اندھارا اچ تیرا اوجالا دسے

گیا سو خوشی جگ میں مشہور تو تج ۔ خرابات عالم کیا پور نو تج

تیرا خار بہتر ہے گلزار تھے ۔ تیرا درد ہے دلوانہ ہشیار تھے

تو دانا ہے کیں نا سمجھ باؤلا ۔ چلے کس نظر جہاں تیرا باولا

سنگاتی دو جگ میں اچھیا تو تج ۔ جنم جگ کا یار وفادار تو تج

تیرے ہات سوں خاک ہوتی ہے زر ۔ پرس توں ہے اکسیر اعظم تھے در

جو کوئی شمع کا تجہ چو پروانہ ہوئے ۔ اسے سان دوزخ میں پروانہ ہوئے

تیرے سحر کا چھنڈ ہے زیو بند ۔ دھرے بند رستم پو تیرا کمند

رہیا کا نہ آوے رتی کن تجے ۔ برابر دسے دوست دشمن تجے

نہ کام آئے تج صف منے دوڑیا ۔ برابر ہے زلف ہور بوریا

تیرے بحر میں عقل کوں انت نین ۔ تیرے بہ او پہ لاج کو بنت نین

کہے تو تج بت خانہ دل کے تین ۔ بناتا ہے عابد کوں توں برہمن

دھرے بیک نظر میں تو لاکھاں فریب ۔ کرشمے سو تو دیں گرڑ واں شکیب

نہ کھیں ہادہ تج ناؤں سادہ اہوا ہیں ۔ سراسر تیرا مجلس آرا ہوں ہیں

کمر دل تیرا چھا جو ٹک یک رتی
توں کہہ پیار سوں آفریں نصرتی

جوانی سوں تھی دھوپ بھر رت میں
سرج تھا اگر آخری جوت میں

نہ کہہ سو دبل اگن کا بادل اتھا
نہ او دھوپ یک آتشیں جل اتھا

کرن ہیں سو ادجل کیاں دھاراں ہمیں
ہر یک ذرہ قطرات باراں دسیں

لگی راہ نے جب سراباں کی موج
چلیں جو کہ ہن تپ حرارت کی فوج

بھری یوں حرارت ہر یک تن منجھار
نہ ست سے سما سک ابل آئے بہار

پڑی تھی کہیں چھاوں ہر تن تے ڈھل
او چکے سو ست لے بھنی تھے اگل

نہ تھیں پر تپش دن کوں دائم اتھی
قیامت فلک پر بھی قائم اتھی

برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک
سو کوہ پھوڑ نہیں رہے تھے چھاتی تڑک

نکل تس نتے جا سب ہریالی کے بال
اتھی بھوئیں کے سر جائیں جائیں کے کھال

پڑیا تھا نہ دریا میں موجاں سوں شور
اتھا نیر ابلتا ہو بھوئیں گو ہر زور

کری جگ میں گرمی نے یوں سرکشی
او گی کوں نگی رکھ کے ہوا آتشی

دیکھت کوہ ہوئی نرالی ہوئی
زمیں دیکھ حیراں دیوانی ہوئی

بھرے لال گھوڑے دس آتے تھے بول
چولیاں میں اگن دیک دہکاتی ہے جیوں

دکھا دھوپ او کڑ جگ یو گرمی سوں تاب
لجاتی اتھی بھوئیں کے سب لکھ تیسے آب

یقیں آفتاب آفت اب تھا
تو ہر جاہ پر آتش ناب تھا

رہیا کہیں نہیں روئے گیتی پو آب
گمر تھی ندیاں سے ہوا پر سراب

چر ندے اوک پیاس نے تس پونٹ
چھوتیں دوڑ مڑ نے اتھے سبجہ چھوٹ

عجب تیز گرمی جلا سنگ و خاک
کوے سنگ کا چونا و ماٹی کو راک

لتھے گرم لنگرے انگاریاں لنے تیز
دے تفت بالو تے چنگیاں کی ریز

پڑے جیسا ہرے رکھ پہ یو آب تاب ‏ — چلیں پات ڈالیاں تے جھک تے بہار
جیسے نئے لگتی تھی جھالاں کی آنچ ‏ — اتھا سخت جانا او نے جیو نے پانچ
نہ سکتے تھے ہرگز پرندے پھڑک ‏ — چرندے بھی تس دھک سوں اہر تو اٹک
مچھیاں کے تو بیچے نکے جوش سوں ‏ — پریں جل گئے پیڑ گرا اوڑیں ہوش سوں
چرندے بھی صحرا میں کرتے کدن ‏ — سو یک گوشت ہوتے تھے یخنی بمن

٭

نظارے میں ہر یک نظر باز کوں ‏ — دسے ہر طرف تیری قدرت کاموں
سبوں کا سمجھ نمک رہا ہے بیاں ‏ — کہ یک سر بسر ہیں بسایا جہاں

٭

نہ سنگھار سوں او دسے دلغریب ‏ — کہ پکڑتا ہے سنگار اس سوں زیب
چنبیلی گل تھے چنزر کی چھاتی بو داغ ‏ — گل سوت تھے سور کا زرد باغ
تو پیچ تیغ سوں حق کے اکرام تھا ‏ — کہ میواں سوں بن سنترہ عام تھا

٭

نین بان لگی ہے کاری منجے ‏ — لگے چٹ پٹی رات ساری منجے
تیرے لب بغیر از جو چاکھوں شکر ‏ — لگے جیو تلک کڑ کاری منجے
کھیو لیا ہوں جو میں کفر اسلام کوں ‏ — یہی بس جو لاگی ہے باری منجے
تیرا فضل ہوئے گا گرا ے سکی ‏ — تری ہے سو امید واری منجے
پیاری او ک پیالہ بھر لطف سوں ‏ — آ نصرتی کو پلا دی منجے
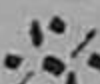
٭

ابن نشاطی

از مثنوی پھول بن تصنیف ۱۰۷۶ھ

کروں تعریف میں اس تاجور کا — سمجھتا ہے جنے قیمت ہنر کا

شہاں کا شاہ عبداللہ غازی — خدا تے ہے تیرے جم بیش بازی

سعادت کے نین کا نور ہے توں — شجاعت کے لگن کا سور ہے توں

آہے جمشید کا سب داب تج میں — سکندر کا آہے آداب تج میں

عدالت آج تیرا اے سہانی — کیا ہے ہمناں کے لہو پانی

نیکھے تو پھول ہور کانٹا ہے یک ٹھار — دلے کینتے نہ کوئی پایا ہے آزار

دیکھن تجہ شیر کی نوشیروانی — کریں بکریاں کے تئیں گرگاں شبانی

عدالت کی تیرے دیکھ آج ہستی — چھپی خوباں کے جا نیناں میں مستی

کیا یوں رہزناں سوں پاک دکھن — نہیں ہے آج مطرب بانج رہزن

کیا توں عدل ایسا آج جگ پر — پھتر کے سنگ سوں شیشے کوں نہیں ڈر

شجاعت کا دیکھت تج سکہ یو پانی — سٹتے سب پہلواناں پہلوانی

سہانی ہے تجے مسند نشینی — فلاطوں کی ہے تجہ میں دوربینی

مسلسل وصف کے تج سلسلے کوں — ہلاتے نیں سکت مج حوصلے کوں

اگر کاغذ گگن کا ہوئے دھورا — صفت تیری نہو سے تو بھی پورا

***

مجھے یک دن دیا یوں ہاتف آواز — پرت کے داستاں کی اے سخن ساز

سخن کا آج توں ہو کر کھن سنج ‎ ‎ بچن کا کھولتا نئین کیا سبب گنج
تیری گفتار سوں عالم مٹھا کر ‎ ‎ دے تیرے شعر کا سب کس کوں شکر
خوشی سوں آ خوشی کی بات پر آج ‎ ‎ نوکا ناں کوں جگت کے عید کر آج
سخن کا طرز تج آتا ہے تازہ ‎ ‎ سخن کا سٹ توں عالم میں آوازہ
سخن کوں توں سنگارن جانتا ہے ‎ ‎ سخن کوں تیرے ہر کوئی مانتا ہے
خدا تجکوں دیا ہے گیان عالی ‎ ‎ سخن کی تج کوں بخشیا لا ابالی
تجے معلوم ہے سارے صنائع ‎ ‎ نکو اوقات اپنا کر تو ضائع
او چا اب خوب یک تازہ حکایت ‎ ‎ اچھیں گے عشق کی جیس میں روایت
بساتین جو حکایت فارسی ہے ‎ ‎ محبت دیکھنے کی آرسی ہے
تجے ہے فارسی میں دسترس آج ‎ ‎ نکر سے ترجمہ بھی کوئی تج باج
اسے ہر کس کے تئیں سمجھا کے توں بول ‎ ‎ دکن کی بات سوں سارا بیان کھول
سراسر سو کو یہ باتاں کیا گوش ‎ ‎ سو ماریا شوق کا دریا دیں جوش
لگا کر طبع کی موتیاں سوں ڈوڑا ‎ ‎ بچن کا جگ منے ماریا ڈھنڈورا
طبیعت میں اپس کی دیکھ صافی ‎ ‎ کیا ہر بیت میں میں موشگافی
ہنر کے باغ کی لی باغبانی ‎ ‎ بساتین کی کیا میں ترجمانی
صفا اور اس کے دیکھ ہر یک چمن میں ‎ ‎ رکھیا ہوں ناتوں اس کا پھولبن
اٹھا تاریخ لایا توں یو گلزار ‎ ‎ اگیارہ سو کوں کم تھے بیس پر چار
خدا کے پاس منگ ہمت بلندی ‎ ‎ نزاکت سوں کیا میں نقش بندی

٭

سمجھ ہر کس کوں میرا طبع ہونا / لگر ہیں یک دکھایا ہوں نمونا
نہیں وہ کیا کروں فیروز استاد / کہ دیتا شاعری کا تج ہیرے داد
رہے صد حیف جو نیں سید محمود / کئے پانی کوں پانی دود کوں دود
نہیں اس وقت یہ دو شیخ احمد / سخن کا دیکھتے باندیا سو ہیں سد
حسن شوقی اگر ہوتا جو فی الحال / ہزاراں بھیجتا رحمت منج اپر ال

٭

آ ہے تازہ چمن پیوستہ میرا / شگفتہ ہے سدا گلدستہ میرا
دیا ہے جگ کوں رونق اک طرف سے / ہے یو بازار جو دورستہ میرا
بہت خون جگر کھا کر کھلیا لگ / کلی ملنے جو تھا فن بستہ میرا
کرم سوں حق کے پایا آج راحت / فلک سوں تھا جو خاطر خستہ میرا

شیخ امین الدین اعلیٰ

از رسالہ قربیہ

اللہ بن نیں دوجا کوئی / اللہ سوں دیک سب کچھ ہوئی
سب سوں بن، سب ہے دیک پاس / مطلق بینا شاہد خاص
شاہد ہے دیک مطلق پر / مطلق منزہ بالا تر
مطلق منزہ محیط ہیو / سب کا جاری جس تھیں جیو
جیو جو الا سب کا جان / سب سوں بن سب عین عیان
عین ارادہ جس کے ہات / جیو جو الا سب سنگات

جلال جمال دو اس کے بھل — مطلق منزہ بے مثل
مطلق سب پر شاہد ہے — سب سوں مل دیگ واحد ہے
پڑ کو ہارا مشکل بات — بن کر ایک نہ آئے ہات
ہٹاؤں نہیں جس لامکاں — سمجھے نا یوں اس کوں ٹھان
عین خلاصہ عیاں تمام — عیاں بیاں سوں ہوتا فام
مطلق منزہ ٹھائیوں آڈ — سمجھا پوری بو بنیاد
احد تجہ میں کیوں آیا — بو جھیا پوری یو مایا
احد جب او مطلق تھا — بن اس مطلق کچھ نا تھا
عشق کا دیگ کیوں آیا پور — ہلیا ذات بن کیوں کیوں نور
ہلن میں ہے بوجھ پہ کار — جھوے یک لک چوبیس ہزار
قدرت اپنی اپنے بل — شریک نہ ہوئی کوئی مثل
گنج مخفی پیو کا ٹھار — دل میں پیو کا دیک دیدار
جیو میں پیو کا دیک ٹھاؤں — دونوں کا ہے ایچ ناؤں

٭٭٭

دیکھ تیرے نین میں تتلی کوں — عالماں میں پڑی ہے جنگ و جدل
ٹک کہتے ہیں نکھ یو کعبہ ہے — اس میں تتلی کا کیوں کیا ہے محل
اور ہیں اس اوپر کی مسجد میں — کتنے ڈالیا ہے طرح رنگ ادیول
آخرش اتفاق سوں بولے — یو ہے صانع خدائے عزوجل

٭٭٭

فائز

از قصہ رضواں شاہ تصنیف ۱۰۹۴ھ

جتے ہیں حکایات کے راویاں | یو قصہ انو یوں کئے ہیں بیاں

کہ تھا چین میں یک بڑا بادشاہ | دورائی پھری اس کی ایک سال راہ

اس اطراف میں تھا جسے تخت و تاج | اطاعت کریں ملک دیویں خراج

ولایت و ملک کچھ نہ تھا اس کوں کم | کسی کے طرف تے نہ تھا اسکوں غم

ولے یوں کہے مج کوں آنند نیں | کہ منج نسل میں ایک فرزند نیں

میرا تخت اس سوں کہ پاوے نظام | کرے مج کوں عالم منے نیک نام

جو منج اچھے وارث تخت او | جہاں میں نکلے بڑے بخت او

اسے سلطنت تاج داری اچھے | دنیا میں میری یادگاری اچھے

خدا پاس دن رات مانگے نسل | کرے خیر خیرات اس کے بدل

عبادت اطاعت کرے بے قیاس | کہے یوں کہ یارب نکر توں ہراس

عطا کر مجھے ایک فرزند توں | بخت ور قابل خرد مند توں

کہ منج نین کو نور اچھے اس کو دیک | بدی اس سوں چوندھیر میرا نام نیک

یہی آرزو دل میں دھرتا اچھے | خدا سوں مناجات کرتا اچھے

کیا عاجزی حب او حد تے زیاد | کیا حق نے لے دن کو اس بامراد

بہوت شکر کرے کندوری کیا | اوک مال او عاجزاں کوں دیا

وزیراں کو تشریف دیکر خوش حال | دے انعام لشکر کوں کیتا نہال

اوخوشنود اپنا ہے کر جاں شاہ　　رکھیا اس کرانانوں رضوان شاہ

ہاشمی

معاصر سلطان علی عادل شاہ ثانی

از یوسف زلیخا تصنیف سنہ ۱۰۹۹ھ

بچھڑ کاند کی اور ہے جس کا یار　　اچھے کیوں نہ وہ غم زدہ خوار و زار
رہے یک نگر میں جو معشوق پچھانک　　وطن پر اچھے اس کے عاشق کی آنک
زلیخا ہر یک دن بندی خانہ جائے　　نظر بھر کر یوسف کے تیں دیک آئے
دیکھو کیا فلک ہے ادیکیا کبل　　بچاری کے جانے کون کیتا خلل
یہی غلغلہ ہور ہیا ٹھار ٹھار　　زلیخا ہر ایک رات جاتی ہے بہار
نویں نین ، قدیم عورتاں کی ہے چال　　بھریں کوئی راتاں کو بولیں چھنال
چھپاتیاں انیں ، عیب سب کھولتیاں　　یکس کی انکی لیک یوں بولتیاں
تماشے کی عاشق جنم ہے وہ نار　　اوڑی سر یو چادر چلی گھر کے بھار
پڑی ایسی دی ہے چنچل ہور چھنور　　نے ڈر ہے وہ عورت جنم کی ڈھنڈور
ایسے کیں کے ہر کوئی نہ ہے نوجواں　　بڑی ہو کو ان کھونی کی اپنا ماں
جیویں ماروائی کون سنا اول　　بڑاں سنا بیٹنک کے نرٹڑی چنگل
مرد ایسی بیٹی شرم جہاں کے جائے　　جنتیاں ایساں کیا لاج جو کل کوں لگے
نی ڈر لاج سڈی بھری سر کوں کھول　　قبیلے کوں سب اپنے لاتی ہے بول
چلن نہ تو اس کے سمج نیں کسے　　اول دیویں صحنک بی بی کی اسے

سنجل ایسی ہے کر کوں کیا جانیتاں — بی بیاں میں بی بی کر کو سب مانیتاں
بی بی بن کا دیکھے تو ہے موں پو آب — دلے جال چلتی اجہر کی خراب
برے کام کا کرنا کیا کر کمائی — ولے پھرنے کا نیں تے بی بیاں کا شنائی
مولی بے خبر کیا ہے سب پردہ دار — خبر نیں بی بی جا کو آتے سو بچار
بری ہے بلا یو نہیں کچھ ہنسی — جہاں سب بنیا ہور اس کا دہنی
بھانے کی عورت جو رناناں کو جائے — ہوا مرد داناں تلے جب نہ لیانے
ہولے ہے یو کیسا زمانے کوں پھیر — دیکھو مرد عورت کے آنگو ہے زیر
قبیلی آنے شٹھا جیو مار کے — ہوئی بات یوں موں میں ہر نار کے
بندی خانے کوں روز جاتی لگو — زلیخا کی انپڑی عزیز کوں خبر
کیا بنک کوں تاکید یوں بے شمار — نہ ہرگز نکلنے کوں دیو کس کو بہار
زلیخا سنی جب یو تاکید ہوئی — لیتی مار سینے میں کی یونک دی
سہیلیاں کوں کی ماں کی کیا بدکروں — مری ہات مرنا نہیں جو مروں
مرے دل میں تھا یو بچ کیا میں چھپاؤں — ٹلے دیس کوں رات موئے جو جاؤں
اگر اتنا پانی نہ ادہار میں — اس ہنسی سوں لیتی اپیں مار میں
لمے دیکھنے میں پڑی میچ کوں کل — نجانوں کیا کیا گنے بو خلل
جیوں مار سٹتے تو خون کرتی معاف — نہ کرنا تھا جانے کا لیکن خلاف
خلل کرنے ہاریاں کا ہو گھر خراب — جو منج بے گنہ کوں دے یوں عذاب
اگر مرد کوئی بچھڑا یو بھائی — نو اوڈڑا اتا کڑ ٹرا تا مادہ مر کو جائے
اگر کوئی عورت دئی ہے یو ڈکھ — نہ دیکھے وہنی موئی وہ بختوں کا سکھ
بیبھٹو ہرانڈ کی پتھری ہو کر وہ خوار — فضیتی جنے یوں کیا ٹھار ٹھار

میرا غم یو کیوں جاے اس کے باج
رہیا جانا میرا کروں کیا علاج

ہر یک رات یوں بولی کہ چیڑ پھری
صبح ہوئی تو جا کر بھیجے پر چیڑی

بندی خانہ یوسف کوں ڈالے تھے جان
دیدی اپی جو تو لگائی تھی ڈال

ہوئی رات تو داں دیوا ایک جلائی
او جلا دی دیکھ کر جیو بہلائی

دکھی لاکھ تو نا دے دل کا بار
دے اس کے رہنے کا دستا تھا ٹھار

منت کر کے پڑتی ہوں میں تیرے پاؤں
پھر حال یوسف کے تئیں دیکھ آؤں

کسی شے سوں یوسف کوں کچھ نیں تھا کام
خدا سوں پکڑ ان کا تھا صبح و شام

بندی خانہ سوں دائی جو پھر یو آئی
زلیخا انگے ہو اسے جا کو لیائی

بلایا لبوں ہور پڑی اس کے پاؤں
لگی پانوں یو گئے تھے یوسف کے ٹھانوں

بلا اس کے ہاتاں کی لیوے تمام
کہیتے ہیں وو دایو یوسف کوں جا کر سلام

بلا اس کے موں کی وہ لیوے سندر
جو یوسف سوں باتاں کئے تھے لگکر

بلا اس کے انکھیاں کی لے بے حساب
جو یوسف کوں دیکھیا لگکر بے حجاب

منج اس کوں بی بی اپی ہو کر اداس
ادب سوں یو پوچھی بیٹھ کر اس کے پاس

منجے بول یوسف کا کیا حال ہے
اپنا کی روش کیش ہور چال ہے

کہ یا غم میں ہے یا کہ آرام میں
کہو کھول کر ہے وہ کس کام میں

منجے کچھ تھی بولو لگکر پنچ کیا
کیا بات تیری سوں یا چپ رہا

اکھتی بول کر وہ جو یوسف کا دل
ایدھر نہیں خدا سوں لگیا اپنے مل

زلیخا سنتی سو رہی ہو اداس
جھجھے پر چیڑ تھی جا نپٹ ہوئی اداس

دو کھوں سوں سٹی پھاڑ سب تن کے چیر
بھری لوں اپنے کلیجے کوں چیر

بچھڑ یک نگر میں رہی من ہرن — رنجیدہ تو ہوئے کیوں نہ عاشق کا من
جسے عشق ہے دل کا انگنا ہوا — ارسطو کی اس پر چلے کیا دوا
اپنا ہاشمی سخن کے دفتر کوں بچار — بندی خانے نے یعنی یوسف کوں کاڑ
زلیخا کا گھر کے رہیا ہے پکڑ — چھوڑانے ہیں یوسف کے تئیں آگے پر
کمر بند نوں یوسف کے خدمت میں اب — رہے گا تو خشنود ہو تج پو رب

یوسف زلیخا کا مخطوطہ ۱۵- ربیع الاول ۱۱۷۱ھ کا لکھا ہوا ہمارے یہاں موجود ہے اس سے نمونہ کلام اخذ کیا گیا ہے۔

مقیمی

از قصہ ماہ پارو چندر بدن تصنیف سنہ ۱۰۹۸ھ

دیوانے کو جب دیرہ آیا نظر — خوشی پر خوشی ہوئی کھلا دل اندر
ہوا وقت پوجا اسی دیرہ کا — اٹھا غلغلہ اس پری سیر کا
دیوانہ وہاں پر لگا ناچنے — اسے دیکھ حیراں ہوئے سب جنے
کہ جب ناز پرورده نازک بدن — پوجا کو وہ آئی ہے چندر بدن
اسے دیکھ وہ مست رونے لگا — وہ آنسو کے گوہر پرونے لگا
پری دیکھ اس کو ہے ایسا کہی — کہ عاشق سچا ہے تو میرا صحی
اسے ہے وہ بولی وفا دار تو — میرا یار عاشق ہے دل دار تو
میرا عشق تو نے لیا سر اوپر — ولے عشق تیرا میرے دل بھیتر
تیرے عشق دل کو کیا دنگ ہے — ولے آڑ پھرنا تجھے ننگ ہے

دلاسے دے اسکو، ملوں گی تجھے — جدا تم نہ جانو اپس سے مجھے

تسلی کی خاطر دیوانے کی یار — تو وہ دل میں خوش حال اور برقرار

برہ کا وہ آتش سلگنے لگی — بلا ہو کے وعدہ بلکنے لگی

کہی ہے کہ اے میرے من کے موہن — لگی دل کو میرے برہ کی اگن

تیرے عشق تجکوں دیوانی کیا — عقل ہوش سب ڈھول دہائی کیا

یہ نمونہ ۱۲۹۰ھ کے مطبوعہ نسخہ سے نقل کیا گیا ہے

عاجز

از قصہ لکہ مصر تصنیف ۱۱۰۰ھ

کہوں میں ثنا صفت اول حق — بنایا ہے یو سب جگ بے بدل

رکھا ہے جن معلق یو ہفت آسماں — چلاتا ہے نوبت زمیں ہور زماں

ڈبانا ہے اوسیں سب نور سوں — کریں دین جو روشن چندر سور سوں

بنایا ہے آدم کوں پانی ستے — اسی دھات پیدا یو خلقت جتے

دیا سب کو نادر جو تھیاں نعمتاں — فہم عقل و دل جیو ہور یو زباں

سمجھتا ہے یک دل میں کئی راز کوں — او دانا اچھے جیو آوانہ کوں

دنیا بیچ او مہرباں کردگار — دھرے دوست دشمن کوں ایچ ٹھار

نہ کر فعل خاطر توں ان کا مدام — دیا رزق ہور نیک کر تو تمام

کرے پرورش اس وضا تھیں گنبھیر — جگت کوں ہے آدھار او دستگیر

نہ جوڑا اسے کوئی ایسا ہے احد — نہ چہتا اسے فوج و لشکر مدد

نہ حاجت اسے تخت ہور تاج کا — نہ شاہی کا سامان ہور ساج کا
کہے کس تو سب اس تھیں موجود ہو — ہے موجود یک پل میں نابود ہو
بشر صفت اس کی کیتی کر دکھائے — کہ دریا کوں مشکے میں کیونکر سمائے
ہوئے اکیوں سب اس ذھات یو حمد نور — کہاں ماپا جاوے گا خورشید نور

⁂

سنو اب یو قصہ سب اظہار کر — کہنتے یک شہنشاہ اتھا بخت ور
دھرے نام فیروز سلطان شاہ — اتھا مصر کے تخت کا بادشاہ
نتھی بیٹی نہیں اس کوں فرزند سو — اچھے شاہ اسے سات دلبند سو
اسے ایک دختر سو اچپل اتھی — چندر سوں بہوت خوب نرمل اتھی
ملیکہ اچھے نام اس نار کا — اتھا سو رجگ بیچ اس نار کا
دیسے نار کا مکھ اور خورشید نور — تھی اچپل نزاکت لطافت میں پور
کہنتے دسیں بعد از بحکم قضا — بقا کوں چلیا شاہ بے سب رضا
بڑاں جو وزیراں اتھے خاص و عام — گئے شاہ کوں دفن خوش یک مقام
سبھی مل وزیراں اپیں کر بچار — ملیکہ کے سر بادشاہی قرار
بٹھا تخت اوپر پری کوں نچل — سلاماں گئے ایک دھر تھیں سگل
ڈھنڈورا پھرائے شہر میں تمام — ہو خوش راج کرتی تھی او نیک نام

ماخوذ از قصہ ملکہ مصر مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۷ھ

⁂

عشرتی

از مثنوی دیپک پتنگ تصنیف ۱۰۷۱ھ

غواصی اگر دیکھتا آج کوں
موتی کی نمن جل میں دب لاج ہوں

ہریک شعر ہر کسے نام نیں
سو دکنی کتا یچ میرا کام ہیں

اگر فارسی ہو تو امرت پلاؤں
سحر کر کو کوزے میں سمدر کوں بھاؤں

ہندی جوہراں کا ہے دل آرسی
دکھن میں دھکا دوں اگوں فارسی

کروں سازیوں عاشقاں کا فراق
اچھے راگ دکنی ہور نغمہ عراق

یو تحفہ حسن عشق کا ماں سوں
سو بھیجوں دکھن سے خراساں کوں

کہانی کے پردے ستے سب منجھار
دیپک ہور پتنگ کا کروں سونہار

نہ سٹے عشرتی حرف کوں طول میں
اپی تس کی گی ملے باس اگر پھول میں

بچن یا بچ رکھ لیکو جیوں راستاں
شروع کرانگے عشق کی داستاں

⁂

صبحدم چلی باؤ کر نو بہار
کھلے پھول بن بن ہوئے لالہ زار

چلیا صد نفر سیر کرتا دراج
ہوا دیس کہ یک ہنت بیاقی دو کاج

سو دہن کھڑنے کر سیورن سنگار
شگفتہ ہو بیٹھے چمن بن کے سار

کہ خفی لکھ اد بہ جلوہ گر آرسی
دیکھی عکس زریں بٹ پارسی

⁂

بحری

معاصر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر

از مثنوی من لگن تصنیف سنہ ۱۱۱۲ھ

اے روپ ترا ارتی رتی ہے
ہر بت پربت پتی پتی ہے

پربت میں اوک نہ کم تی ہیں
یکسار ہے راس ہور رتی میں

سا اگر تو نہ سرمہ دان میں ماگا
صندوق میں سور کیوں سماگا

طوفان تنک نمن کی بو میں
سمدور یک آنکھ کے انجو میں

دریا میں صدف ہے لاکھ بھریا
پن کیوں بھرے بیچ صدف کے دریا

یک پال میں نو فلک دسے کیوں
یک گھر منے دو جہاں دسے کیوں

جز کل میں کیا چھپے نہ کس اسکا
یو بول نہ صاف ہر بل گھنس کا

سب تج میں اگر کہے تو سچ ہے
جوں جل کے تجھا کنج ہے سچ ہے

٭

ہر بول میں معرفت کی بانی
سیتا کی نہ رام کی کہانی

تھا پوچھ یک بڑا اپٹارا
سو بھاگ نگر میں کھوئے سارا

جمندر کیا اٹھا سکندر
جن چرخ کوں اس دکن کے چندر

کپڑے بھی کیتک جو جوڑ میں جس
تیہ وار دیری اپتال کی بس

بھتے اور بھی یادگار چیزاں
تس پردہ چیر اے بے تمیزاں

ورنہیں تو یو شعر نا لے جاتے
نا پھاڑ تلاؤ کون دکھاتے

اس کھوئے پہ آکے کیتک یار | جی تھا پھر آپ نے ٹھار
اس پنڈ کوں نہیں ہے پائداری | باوے رہے پچ تو یادگاری
دے جس میں اچھے بیان بالا | سنسار کے ہاتھ یک رسالا

❋

جب مج کوں دیا لوگیان بوگن | تب ہار گندیا یو پھول چن چن
بیٹھا ہے جنے اپس کے تئیں ہار | یو ہار ہے اس گلے سزاوار
پامال کیا ہے جن یو دہن مال | اس کے گلے میں سہاوے یو موہن بالی
ہجری تھے ہی کیتک برس تھے | بارا او پر ایک سو سہس تھے
تب نیں ایس کیا ہے بالا | اس جگ میں یو قدرتی رسالہ

ولی دکنی

از روضۃ الشہدا تالیف سنہ ۱۱۱۹ھ

قلم سوں مجلس سیوم کے غم کے | بکھیروں گوہراں درد و الم کے
بنی بعد از بجا نوبت ولی کا | دو جگ میں سرور مرداں علی کا
شہنشاہ ولایت، علم کا در | منور جس سوں ہے محراب و منبر
شرج ہے آسمان ہل اتی کا | صنوبر بوستان لافتیٰ کا
در خیبر اوکھاڑا اور بندھیا پل | غزا میں صاحب صمصام دلدل
جدھر دلدل دوڑاتا ہے سو تیتل | شہا ہے پہلواناں کے کہندل دل
کرے جب حیدری میداں میں نعرا | ہووے تب دل دلیراں کا دو پارا

نظر اس سور کا جید ہر پڑا ہے — کفر آگے سوں شبنم ہو اوڑیا ہے

جہاں میں جس کی مردی کا آوازہ — سنے پر ہوئے دل مرداں تازہ

جہاں کا کفر خانی کر کے سارا — کیا دین محمد آشکارا

صفت کیا کوئی کرے تیغ دوسر کا — دسے جم اس میں منہ فتح و ظفر کا

محل ستر نبی ستر خدا کا — دل صافی ہے بیشک مرتضیٰ کا

دیکھے جو جس کے بخشش کا تلاطم — رہے نت خشک لب دریائے قلزم

خطاب اس کوں امیر المومنین ہے — خدا سوں والی دنیا و دین ہے

اچھے در دور خاتم بعد خاتم — خدا کے حکم سوں شاہ دو عالم

امام اول از اثنا عشر ہے — فضیات میں سبھوں سے بیشتر ہے

کہوں کا کیا فضل میں اس کا کرامت — نکھے تیں ہے جس کے خاتون جنت

جو کرتا دل یو اب فکر تولد — کروں میں شاہ کا ذکر تولد

کرامت فاطمہ بنت اسد کا — کہوں یا شاہ مرداں سے دلہ کا

حمل سوں فاطمہ مولا کے اک روز — طواف کعبہ سے تھے راحت اندوز

جو نکلے آیکایک اس طرف سوں — محمد مصطفےٰ عز و شرف سوں

دیکھے تو فاطمہ کا رنگ ہے زرد — کئے معلوم کرتا ہے شکم درد

کہے اے رکھ اپنا خاطر جمع — ابھی ستر خدا ہونا ہے ظاہر

طواف کعبہ جلدی سوں توں کر جا — در دلئے ہوئے توں کعبہ بھتر جا

ہوا نزدیک واں جننے کا آثار — ہوئی فی الحال شق کعبے کی دیوار

گئے ہیں فاطمہ کعبہ منے تو — سو اس پاکیزہ جاگے پر جننے تو

اتھا جو گنج مخفی میں مستارا — ہوا گھر میں خدا کے آشکارا
خدا کا تھا ازل سوں مست و شیدا — ہوا تب وہ خدا کے گھر میں پیدا

عاجز

از مثنوی نیہ درپن تصنیف سنہ ۱۱۴۴ھ

الٰہی یا الٰہی یا الٰہی — تجھے ساجے جگت کی بادشاہی
تکبر ہور منم ہے تج سزاوار — کہ نئیں کوئی دوسرا تج سا کرتار
دکھانے جب لگے قدرت کا نوں بل — کرے جیں گھن پو گھن کوں جیں کرے ناق
رنگ آمیزی کیا غنچہ چمن کا — کہ جیسا کام ہے نازک بدن کا
لکھیا یوں موج کی ڈھنگاں اچھل پر — کہ جیوں دریں اوپر نکلے ہے یا جوہر
جھلک تج ذات سب شے میں ہے ظہور دار — ہر یک ذرے میں ہے تجھ سور کا نور

❊

ہر یک مصرع کہے جیوں پھول کیاں — میرے اپاں کا ہے وہ عشق پیچاں
بہت محنت ستے کر لہو پانی — کیا اس باغ کی میں باغبانی
بہر حال ہو ویں جو اہل معانی — دو ہی سمجھیں گے یو نکتہ فشانی
بنایا پھولبن ابن نشاطی — تھی باس اس کی سب کے تیں خوشاتی
جواب اس کا جو یو ہے نیہ درپن — ہے سچ وہ عشق کے انکھیاں کا انجن
اسے اسنے اگر نا پائے بہتر — برابر تو نہیں جانے نہ کمتر
ہوا تیار جس دلیں ان میں پھولبن — مصنف نس لکھیا ہجرت کے یوں سن

سن ہجری اے آیا جب یو رکھ بار
اگیار نا سو کوں کم نھتے بیس پر چار

سٹیا جو نیر درپن نے دو جھیل کار
اگیارہ سو پو نھتے چالیس پر چار

محبت کی جو ہے عار سی ملکن
اسے ہے رونمایو نیر درپن

ہوا جب کابل اس کا نظم حال
زمانے نے کیا منج بہوت خوشحال

کیا تاریخ بور خ منج رخن کا
یو نو تحفہ مبارک بے ہنر کا

وجدی

از مثنوی پنچھی باچہ ترجمہ منطق الطیر تالیف ۱۱۴۶ھ

اے پنچھی پیارے سخن آغاز کر
حمد سوں حق کے بلند آواز کر

شوق سوں ایسا او چھایک چہچہا
جے رہے تر لوک کا عالم لبھا

گلشن وحدت ہے تیرا آشیاں
احدیت کا راز سب تجھ پر عیاں

وحدیت کا ہے تجھے اسرار بار
تو ہچ ہے وحدانیت کا رازدار

تو ہچ جام عشق کا ہے مئے مست
توں لیا ہے لذت جام الست

کیا کہوں اے صاحب شرب سلوک
جل لئے تیری بات سنتے پیاس بھوک

تازہ کر اب کلک زباں توحید سوں
دور تر ہر شرک ہر تقلید سوں

پاک دل سوں یاد کر اس پاک کوں
جن دیا جیو اس مٹھی بھر خاک کوں

نیستی سوں ہست کیتا یو جہاں
سات طبقاں دہر تری نوں آسماں

خالق جہاں صانع ہر جزو کل
جس کی پیدائش سوں ہے یو خار و گل

خار بولیں گے تو بے علت نہیں
گل کو دیکھیں گے تو بے حکمت نہیں

دوزخ و جنت نہیں بے مصلحت — خوب ہے معلوم اس کو اسکی گت

کھول انکھیاں دیکھ یو سب کائنات — کیا سو حیواں کیا جمادی کیا نبات

کیا زمیں کیا آسماں کیا چاند سور — کیا رین کیا دیس کیا ظلمات و نور

فکر کر دیکھے تو کچھ بے کار نہیں — نیں ہے اور کچھ سے جو تجھ درکار نیں

نا ہے کوئی بات اس کے حکم باج — لیکن اس کو کسنے نیں کچھ احتیاج

نا زن و فرزند اس کوں نا مثال — ملک اس کا بے شریک و بے زوال

ہے منزہ سب سوں او پروردگار — نا دسے قدرت کا اس کے انت پار

شکر کر وحدی کہ یہ روجہ کتاب — ختم ہوئی توفیق حق سوں یو کتاب

اصل میں تھا یو کلام فارسی — اہل معنی کوں مثال آرسی

خوش تریں تصنیف شیخ نامدار — پیشوائے عارفان روزگار

شیخ صاحب دل فرید نامور — خاص جن کا ہے لقب عطار کر

او نکالے ہیں گے جوں عطر سخن — عطر پروردہ کئے ہیں یو گگن

ہر سخن یو نکتہ اسرار ہے — مغز جاں کوں طبلۂ عطار ہے

عارفاں کے پاس وہ استاد ہے — طالباں کے حق منے ارشاد ہے

فکر سوں جو کوئی کیا اس میں نظر — مقصد دیں سوں ہوا دیں بھر ور

بخت اگر یاری کرے تو کیا عجب — نار ہے مردار دنیا کی طلب

نتھا ولے جو فارسی میں وہ کلام — کوئی سمجھ سکتے نہ تھے اس خاص و عام

گرچہ میں بھی کچھ نہیں معنی شناس — کان مجھے اس کے سمجھنے کا قیاس

لیکن اس کے دیکھ کر دل سوں یو بول — یک بیک جو لکول منے آیا کلول

جے موافق فہم اپنے یو ضعیف
اس کتاب خاص کا نظم شریف
قصد کر دکھنی زباں میں لیکے آؤں
تار ہے دنیا منے میرا ابھی ناؤں
پس مدد منگ شیخ کی ارواح سوں
التجا کر عجز اور الحاح سوں
پس قلم جاری کیا اوراق پر
جب ہوا پورا یو نظم مختصر
نام میں اس کا پنچھی باچہ رکھا
یادگاری خلق عالم کو دیا
جب کیا تاریخ کا دل میں حساب
تب ہوا میزاں میں "کیا خاصا کتاب"
۱۰۴۶ھ

ولی اورنگ آبادی

غزلیات

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا
ہر زباں پر ہے مثل شانہ مدام
ذکر اس زلف کی درازی کا
ہوش کے ہاتھ میں عناں نہ رہی
جب سوں دیکھا سوار تازی کا
تیں دکھا کر اپس کے مکھ کی کتاب
علم کھویا ہے دل سوں قاضی کا
آج تیزی نگہ نے مسجد میں
ہوش کھویا ہے ہر نمازی کا
گر نہیں راز نقر سوں آگاہ
فخر بیجا ہے فخر رازی کا
اے ولی سرو قد کوں دیکھوں گا
وقت آیا ہے سرفرازی کا

٭٭٭

توں ہے رشک ماہ کنعانی ہنوز
تجھ کوں ہے خوباں میں سلطانی ہنوز
ہر جھلک دیتی ہے تجھ رخسار کی
آرسی کوں درس حیرانی ہنوز

شرم سوں تجھ مکھ کے اے دریائے حسن
چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

خواب میں دیکھا تھا تیری زلف کوں
دل میں ہے باقی پریشانی ہنوز

حلقہ زن ہے تجھ دہن کی یاد میں
خاتم دست سلیمانی ہنوز

تجھ کمر کوں دیکھ حیراں ہو رہا
مو قلم کے دست ہاتھ میں مانی ہنوز

روز اول سوں چمن میں حسن کے
نیں ہوا پیدا نہ اثانی ہنوز

اے ولی اس گلبدن کے عشق میں
مثل بلبل ہے غزل خوانی ہنوز

٭

ہے ناز میں صنم کا زلفاں دراز کرناں
فتنے کا عاشقاں پر دروازہ باز کرناں

دل لے گیا ہے میرا پھر مانگتا ہے جی کوں
برجا ہے نازنیں کوں عاشق پہ ناز کرناں

اے قبلہ رو دسیے ہیں محراب تجھ بھواں کے
واجب ہوا انکھیاں سوں اب جا نماز کرناں

کیوں کر چھپا سکوں میں تجھ درد کی حقیقت
ہے کام آہ دل کا افشائے راز کرناں

ہے منحصر اسی میں عاشق کی سرخ روئی
خدمت گلرخاں کے جی کوں نیاز کرناں

میں عشق سوں کیا ہوں تجھ دل کوں نرم آخر
ہر ایک کا کام نیں ہے دل کوں گداز کرناں

ہے پہونچنے کا ساماں کعبے کوں مدعا کے
دریائے عاشقی میں دل کوں جہاز کرناں

شاید غزل ولی کی لیجا کے سنا دے
اس واسطے بجا ہے مطرب سوں ساز کرناں

٭

کیا تجھ عشق نے ظالم خراب آہستہ آہستہ
کہ آتش گل کوں کرتی ہے گلاب آہستہ آہستہ

عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سوں
خطاب آہستہ آہستہ جواب آہستہ آہستہ

میرے دل کوں کیا بیخود تری انکھیاں نے اے ظالم
کہ جیوں بیہوش کرتی ہے شراب آہستہ آہستہ

ادا و ناز سوں آتا ہے وہ روشن جبیں گھر سوں — کہ جیوں مشرق سوں نکلے آفتاب آہستہ آہستہ
ولی مجھ دل میں آتا ہے خیال یار بے پروا — کہ جیوں انکھیاں منے آتا ہے خواب آہستہ آہستہ

٭

نشہ بخش عاشقاں وہ ساقی گلفام ہے — کہ جس کی انکھیاں کا تصور بیخودی کا جام ہے
کھولنا زلفاں کا کچھ درکار نیں اے خوش ادا — یک نگاہ ناز تیری دو جہاں کا دام ہے
آفتاب آتا ہے محرم ہو کے تجھ کوچے طرف — صبح صادق اس کے بر میں جامہ احرام ہے

٭

دل کوں تجھ باج بے قراری ہے — چشم کا کام اشک باری ہے
شب فرقت میں مونس و ہمدم — بے قراری و آہ و زاری ہے
اے عزیزاں مجھے نہیں برداشت — سنگ دل کا فراق بھاری ہے
فیض سوں تجھ فراق کے ساجن — چشم گریاں کا کام جاری ہے
فوقیت لے گیا ہوں بلبل سوں — گرچہ منصب میں وہ ہزاری ہے
عشق بازی کے حق منے قاتل — ہر نگہ خنجر و کٹاری ہے
آتش ہجر لالہ رو سوں ولی — داغ سینہ میں یادگاری ہے

٭

نکو کر آشنائی غیر سوں اے سیم تن ہرگز
نہوا اے شمع رو ہر انجمن میں شعلہ زن ہرگز
نہ ہل مایل ہو ہر طوطی سوں اے شکر شکن ہرگز
نہ ہل ہر بلبل مشتاق سوں اے گلبدن ہرگز

ہر ایک گلشن میں جیوں نرگس نہ کھول اپنے نین ہرگز
فصیحاں خلق کے سارے تجھے شیریں بچن کہتے
پیشانی روز روشن اور زلف کالی رین کہتے
میسر ہر جواہر کے تجھے در عدن کہنے
جہاں کے گلرخاں سارے تجھے نازک بدن کہتے
تو ہر پلکاں کے کانٹاں پہ نہ رکھ اپنے چرن ہرگز
سدا مشتاق ہے طوبیٰ تیرے قد صنوبر کا
تجلی میں ترا یہ مکھ اہے خورشید محشر کا
دہن تیرا سو غنچہ انجام ہے یہ جام کوثر کا
تو بیشک روح ہے جگ میں خلاصہ چار عنصر کا
بجز تجھ روح کے قائم نہ ہو جگ کا بدن ہرگز
تو ہے محبوب عالم کا ولی عالم سوں ہو نکیو
تو محبوباں میں عنقا ہے نکو دکھلا کسی کو رو
جو آتش ڈال گیا دل کوں لجاواں زلف عنبر بو
بغیر از عید مت دکھلا کسی کوں یہ ہلال ابرو
نہ مہتاب میں بھی کس سوائے چندر بدن ہرگز

تمت

سراج

کہاں ہے گلبدن موہن پیارا
کہ جیوں بلبل ہے نالاں دل ہمارا

بساط عشق بازی میں مرا دل
متاع صبر و نقد و ہوش ہارا

تغافل ترک کر اے شوخ بیباک
تلطف کر نوازش کر مدارا

سراج اس شمع رو نے ان دنوں میں
لیا ہے سب پتنگو کا اجارا

٭

گدائے کوچۂ میخانہ میں مے پرستاں ہو
بہار گل میں ہر طفل بشیر مے پرستاں ہو

شب تاریک میں حاصل ہو انکو سیر مہتابی
کہ دور جام مل بدر منیر مے پرستاں ہو

٭

لب سجن دام زلف عالمگیر ہے
نقش پا ہر صید کوں زنجیر ہے

زلف مشکیں کوں مطول مت کہو
مصحف رخسار کی تفسیر ہے

کھینچ کر تیغ جفا مت قتل کر
عاشق دل خستہ بے تقصیر ہے

جل گیا آخر دل بے کل سراج
تب تو تھا سیماب اب اکسیر ہے

٭

آرزوئے دل سجن جو بسمل ہیں اس جلاد کے
صبح محشر لگ نہیں ہیں لب کشا فریاد کے

تیشۂ شیریں میں غم کھا کر سلامت ہیں مدام
جاں خراشاں معتقد ہیں مشرب فرہاد کے

دیدۂ اہل نظر گرد کی صورت دیکھ کر
بلبل تصویر سیں ہیں آئینے ایجاد کے
دیکھ کر اس گلبدن کے قامت موزوں کی چھب
صحن گلشن میں اڑے ہیں فاختے شمشاد کے

٭٭٭

جاتا ہے مرا جان نپٹ پیاس لگی ہے
منگتا ہوں ذرا شربت دیدار کسی کا
سب پر ہے کرم مجھ پہ ستم کیا ہے دورنگی
دلدار کسی کا ہے، دل آزار کسی کا
زنجیر کھلی، قید کھلی، ہوش بھی جیوں تیوں
پن حق نہ کرے کس کو گرفتار کسی کا
میں ہوں تو دوانہ پہ کسی زلف کا نیں ہوں
واللہ کہ رکھتا نہیں یک تار کسی کا

٭٭٭

معراج العاشقین

تصنیف خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز المتوفی ۸۲۵ھ

محمد ہور اللہ کے درمیان پردہ باندے ، اسے نقاب کبریا بولتے ہیں ، عرفان کرسی پر محمد کوں سلائے ، اللہ محمد باتاں کرنے عشق کوں بلائے ۔ عشق مشاطہ ہو کر عاشقاں کے باتاں معشوق کوں معشوق کے باتاں عاشق کوں سنائے ۔ اللہ سے آواز آیا ۔ اے محمد یک لک چوبیس ہزار پیغمبراں میرے طلب نیں کیا ۔ تیرا فراق مجھے بہوت ہوا تیں تجھے اس راہ ہو کر لیا ۔ اپنے معراج کیاں نشانیاں ہیں تجھے دیتا ہوں ، اتیاں میریاں باتاں سن کر تیری امت کوں میرے بندیاں کوں خبر دیتا ہوں ۔

یو سب باتاں نبی علیہ السلام کوں بول کر خاصے کے طبق میں چار کاسے رنگ کو دئے ، دودھ ۔ پانی ۔ شہد ۔ شراب خاصے کا سرپوش اٹھا کر محمد رسول اللہ کے نزدیک بھیجے ، اور کہے اے محمد پیو ۔ ہور تمہاری امت کون بھی پیلاؤ ۔ حضرت دودھ پیئے ، ہور عرض کئے ۔ اے میرے خدا میں دودھ کوں قبول کیا ، کانسے تیں کسے دیئوں ۔ جبرئیل علیہ السلام خوش حالی کی خبر لیا اے دودھ محبت کا کانسا ۔ پانی قطرے کا کانسا ۔ شہوت کا کاف

شراب عشق کا کانسا ہے۔

سب رس

مصنفہ ملا وجہی تصنیف ۱۰۴۴ھ

ایک شہر تھا اس شہر کا ناوں سیستان تھا۔ اس سیستان کے بادشاہ کا ناوں عقل۔ دین و دنیا کا تمام کام اسنے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کہیں نیں ہلتا۔ اس کے فرمودے پر جو چلے۔ ہر دو جہاں میں ہوئے بھلے۔ دنیا میں خوب کھوائے چار لوگاں میں عزت پائے۔ جاں رہے کھڑے۔ واں قبول پڑے نہ آفت دیکھے نہ زلزلہ۔ آپے بھلے تو عالم بھلا۔ کسی کوں برا بولنا یو وسواس ہے۔ بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ آپی چل نیں جانتے۔ دوسریاں پر برا مانتے۔ اول اپنی خبر میں اپی رہنا۔ پچھے دوسرے کوں برا کہنا۔ جنے اپکوں پچھانیا ان نے سب جانیا۔ جدھر ڈھلتا ہے۔ ادھر عقل کے ادجالے میں چلتا ہے۔ آدمی نے عقل چھوڑیا۔ دیوانہ ہویا۔ اپنا سر آپی پھوڑیا۔ عقل میں جو کا کلوت ملتی تو حرمت میں نقصان ہوتا۔ مدعا دور پڑتا۔ ولئے اگر منگتا ہے جو دل کوں تازہ رکھے مدعا پاوے، تو بھلا ہے۔ جو عقل میں کا کلوت نا ملاوے سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک۔ یو پند ہے